Cilt/Volume: X Sayı/Number: I Nisan/April 2025

HAYATTA EN HAKİKİ MÜRŞİT İLİMDİR

K.ATATÜRK

DOĞU DİLLERİ DERGİSİ

Journal of Oriental Languages

Ankara Üniversitesi
Dil ve Tarih-Coğrafya Fakültesi

Ankara Üniversitesi
Dil ve Tarih-Coğrafya Fakültesi
Doğu Dilleri Dergisi / Journal of Oriental Languages

Cilt/Volume: X Sayı/Number: 1 Nisan/April 2025

e-ISSN: 2791-7606

Yılda iki kez yayımlanır. / Published semi-annually.

Yayıncı: Ankara Üniversitesi / Publisher: Ankara University

Dizinler

INDEX COPERNICUS INTERNATIONAL, RESEARCHBIB ACADEMIC RESOURCE INDEX, WorldCat, DRJI Directory of Research Journals Indexing, MLA INTERNATIONAL BIBLIOGRAPHY

Ankara Üniversitesi
Dil ve Tarih-Coğrafya Fakültesi Adına Sahibi / Owner in Behalf of the Faculty
Dekan / Dean
Prof. Dr.İrfan ALBAYRAK (Ankara Üniversitesi)

Baş Editör / Editor in Chief
Prof. Dr. Kemal TUZCU (Ankara Üniversitesi)

Editör Kurulu / Co-Editors
Prof. Dr. Hicabi KIRLANGIÇ (Ankara Üniversitesi)
Doç. Dr. Davut ŞAHBAZ (Ankara Üniversitesi)
Doç. Dr. Derya ADALAR SUBAŞI (Ankara Üniversitesi)
Doç. Dr. Esra BÜYÜKBAHÇECİ (Ankara Üniversitesi)
Doç. Dr. Yalçın KAYALI (Ankara Üniversitesi)

Yayın Kurulu / Editorial Board
Prof. Dr. Asuman BELEN ÖZCAN (Ankara Üniversitesi)
Prof. Dr. Bedrettin AYTAÇ (Ankara Üniversitesi)
Prof. Dr. Derya ADALAR SUBAŞI (Ankara Üniversitesi)
Prof. Dr. Gürhan KIRİLEN (Ankara Üniversitesi)
Prof. Dr. H. Derya CAN (Ankara Üniversitesi)
Prof. Dr. H. Can ERKİN (Ankara Üniversitesi)
Doç. Dr. İsmail SÖYLEMEZ (Ankara Üniversitesi)
Doç. Dr. Pınar ALTUNDAĞ (Ankara Üniversitesi)

Danışma Kurulu / Advisory Board

Prof. Dr. A. Merthan DÜNDAR (Ankara Üniversitesi)
Prof. Dr. Ayşe Nur TEKMEN (Ankara Üniversitesi)
Prof. Dr. Celal SOYDAN (İstanbul Üniversitesi)
Prof. Dr. Derya ÖRS (Türkiye Cumhuriyeti Tahran Büyükelçisi)
Prof. Dr. Korhan KAYA (Ankara Üniversitesi)
Prof. Dr. M. Hakkı SUÇİN (Gazi Üniversitesi)
Prof. Dr. M. Faruk TOPRAK (Ankara Üniversitesi)
Prof. Dr. Musa YILDIZ (Gazi Üniversitesi
Prof. Dr. Rahmi ER (Ankara Üniversitesi)
Prof. Dr. S. Sarraju RAYAVARAPU (Haydarabad Üniversitesi)
Doç. Dr. Abdüsselam BİLGEN (Ankara Üniversitesi)
Doç. Dr. Ali KÜÇÜKLER (Erciyes Ünversitesi)
Doç. Dr. Aykut KİŞMİR (Ankara Üniversitesi)
Doç. Dr. Bhim SİNGH (Haydarabad Üniversitesi)
Doç. Dr. Celal Turgut KOÇ (Gazi Üniversitesi)
Doç. Dr. Ganga Sahay MEENA (Jawaharlal Nehru Üniversitesi)
Doç. Dr. Gonca ÜNAL CHIANG (Ankara Üniversitesi)
Doç. Dr. İnci İNCE ERDOĞDU (Ankara Üniversitesi)
Doç. Dr. Osman DÜZGÜN (Ankara Yıldırım Beyazıt Üniversitesi)
Doç. Dr. Pınar ALTUNDAĞ (Ankara Üniversitesi)
Doç. Dr. Sinan LEVENT (Ankara Üniversitesi)
Doç. Dr. Vinod TİWARİ (Delhi Üniversitesi)
Dr. Öğr. Üyesi Yeşim BAĞRIAÇIK (Ankara Üniversitesi)
Öğr. Gör. Dr. Özlem GÖKÇE (Ankara Üniversitesi)
Öğr. Gör. Dr. Zuhal KOÇYİĞİT (Ankara Üniversitesi)
Öğr. Gör. Elif ÖCALMIŞ (Ankara Üniversitesi)
Öğr. Gör. Emel SİYLİM BAŞARIR (Ankara Üniversitesi)
Öğr. Gör. S. Yeşim FERENDECİ (Ankara Üniversitesi)
Yab. Uzm. Eunmi YU (Ankara Üniversitesi)

Teknik Destek Ekibi / Technical Support Team

Arş. Gör. Pınar ALTAY YILMAZ (Ankara Üniversitesi)

Yönetim Merkezi / Main Office

Ankara Üniversitesi
Dil ve Tarih-Coğrafya Fakültesi, Doğu Dilleri ve Edebiyatları Bölümü Başkanlığı

Adres / Address

AÜ Dil ve Tarih-Coğrafya Fakültesi
Atatürk Bulvarı, No:45-45/A
06100 Sıhhiye/Ankara
Türkiye

E-posta: dogudilleridergisi@gmail.com

Özel Sayı
Cilt: X Sayı: 1 - 2025

İÇİNDEKİLER

AÇILIŞ KONUŞMASI
Asuman BELEN ÖZCAN

1-1947 HİNDİSTAN-PAKİSTAN AYRILIĞINDA KADINLARIN YAŞADIĞI SORUNLARIN URDU HİKÂYESİNE YANSIMALARI

Nuriye BİLİK, Mehmet Kemal ÇAKMAKÇI **1-13**

2- SULTAN JAHAN BEGUM OF BHOPAL: AN ANALYTICAL STUDY OF HER LEGACY AND THE LINGUISTIC CONTRIBUTIONS OF THE WOMEN SULTANS OF BHOPAL TO THE URDU LANGUAGE

Muhsin Ramazan İŞSEVER **14-23**

3- AĞA HAŞR KAŞMİRİ'NİN 'TÜRK GÜZELİ' DRAMASINDA KADINA BAKIŞ

Hakan KUYUMCU **24-32**

4- MUHAMMEDİ BEGÜM EDİTÖRLÜĞÜNDE BİR RİSALE: TEHZİB-İ NİSVAN

Elif ÖCALMIŞ **33-46**

5- SAADAT HASAN MANTO'DA KADIN KARAKTERLER: "HATAK" VE MUZEİL" ÖYKÜLERİ EKSENİNDE

Arzu ÇİFTSÜREN **47-56**

6- MERHUME VALİDEM ANISINA İSİMLİ ŞİİR IŞIĞINDA ALLAME MUHAMMED İKBAL'DE ANNE SEVGİSİ

Recep DURGUN **57-64**

7- PORTRAYAL OF A WOMAN IN *THE WEARY GENARATIONS:* AZRA

Aykut KİŞMİR **65-74**

8- LOVERS IN SEARCH OF FREEDOM: ALDA MERINI; PARVEEN SHAKIR

Davut ŞAHBAZ, Angelica D'ALESSANDRI **75-94**

9- KADIN İMGESİNİ VURGULAYAN URDU ATASÖZLERİ VE DEYİMLER ÜZERİNE KISA BİR ÇALIŞMA

Emel SİYLİM BAŞARIR **95-111**

معزّز مہمانانِ گرامی، معزّز رفقائے کار،
عزیز طلبا اور طالبات!

انقرہ یونیورسٹی کی زبان و تاریخ ، جغرافیہ فیکلٹی ،شعبہ اُردو کے زیرِ اہتمام "اُردو ادب میں خواتین کا تصوّر" کے موضوع پر ہماری چوتھی بین الاقوامی کانفرنس میں تشریف لانے پر آپ سب کو خوش آمدید کہتی ہوں۔ اس موضوع پر بات کرنے سے قبل میں پاکستان اور یورپ سے اس کانفرنس میں شرکت کرنے والے اپنے معتبر اورعزیز دوستوں اور ساتھیوں کا تہہِ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں، جن کی آمد کی وجہ سے یقیناً آج کا دن پُر رونق اور کامیاب دن ہو گا۔ ہمارے اس موضوع کو منتخب کرنے کا بنیادی مقصد ایک پلیٹ فارم بنانا تھا، جس میں دکھایا جائے کہ اُردو ادب میں حصّہ لینے والی تخلیق کار خواتین یا ان کے کاموں میں عورت اور عورت کی روزمرّہ سماجی، سیاسی، معاشی زندگی کے مسائل وغیرہ کو ادب میں کس طرح سے ظاہر کیا گیا یا کیا جاتا رہا ہے۔

یہ موضوع بلا شبہ اس قدر وسیع ہے کہ اس پر کئی دن تک بحث کی جا سکتی ہے، لیکن چونکہ ہمارے پاس وقت محدود ہے ، اس لیے میں اس موضوع پر مختصر بات کروں گی۔ اُردو ادب نے ہر دور میں ایسے ادیب پیدا کیے ہیں، جنہوں نے اپنی تخلیقات میں اپنے اپنے انداز میں عورت اور اس کے مسائل کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ اس میں خواتین مصنفات کا اپنا ایک اہم حصّہ ہے۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان کی تحریروں میں نمائندہ کرداروں کا حصّہ بھی کمتر نہیں ہے۔ زمانے کے لحاظ سے بھی خواتین ادیبوں نے اپنے مسائل کو مختلف اصناف میں پیش کیا ہے۔ مثال کے طور پر ہم جانتے ہیں کہ شاعری کی ابتدا غزل سے ہوئی، جس میں عورت کو محبوبہ کے طور پر بیان کرنے کے لیے حسن، ناز ، انداز وغیرہ جیسے تصوّرات استعمال کیے گئے۔ ۱۸۵۷ کو ہندوستان میں رہنے والی عورتوں کے لیے ایک اہم زمانے کا آغاز سمجھنا چاہیے۔ اس زمانے میں عورت کی حیثیت کے بارے میں بات ہونے لگی تھی، جو آہستہ آہستہ ادب میں موضوع بنتی گئی، اور اٹھنے والے سوالوں کا جواب بھی ڈھونڈا جانے لگا۔ ابتدا میں خواتین کے رسائل نکلنے لگے، جن میں 'خاتون'، 'تہذیبِ نسواں' 'عصمت' وغیرہ اہمیت کے حامل ہیں، جن میں خواتین نے لکھنا شروع کیا، اور ان خواتین کی تحریروں کی بدولت ہی خواتین نے اپنے مسائل کو سمجھنا شروع کیا۔ اسی دور میں لکھاری خواتین اپنا نام استعمال کرنے کی بجائے مردانہ ناموں کو اپنا قلمی نام بناتی تھیں۔ مولوی ممتاز علی اور راشدالخیری کی تحریروں کا بنیادی موضوع خواتین کی تعلیم تھا۔ ان کےرسائل کی مثالی اشاعت نے خواتین کا ادب کے ارتقا میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ خواتین کے بارے میں پہلا اردو ناول 'مراۃ العروس' لکھنے والے پہلے مصنف نذیر احمد تھے، جنہوں نے اپنی کہانیوں میں خاص طور پر تعلیم کے مسائل پر توجہ

دلائی تھی، اور حالی نے شاعری میں سب سے پہلے عورتوں کے لیے آواز اٹھائی تھی۔

اے ماؤ، بہنوں، بیٹیو دنیا کی زینت تم سے ہے
ملکوں کی بستی ہو تمہی، قوموں کی زینت تم سے ہے

'اصلاح النساء' اردو کی پہلی خاتون ناول نگار رشیدہ النساء کا ناول تھا، جس نے نذیر احمد سے متاثر ہو کر یہ ناول لکھا تھا۔ ۱۸۵۷ کو ہندوستان میں رہنے والی عورتوں کے لیے ایک جدید زمانے کا آغاز اس لیے بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ اس دور میں یہ سوالات اٹھنے لگے تھے کہ عورت کا سماجی کردار کیا ہو سکتا ہے اور اس کو کس طرح بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ یہ سوالا ت ادب میں اٹھ رہے تھے اور ان کے جوابات بھی ادب میں ہی ڈھونڈے جا رہے تھے۔ پھر 'خاتون'، 'تہذیب ِنسواں'، عصمت وغیرہ جیسے اہم ترین رسائل کے ذریعے بھی عورتوں میں بیداری کا شعور پیدا ہوا، انہوں نے اپنے مسائل کو سمجھنا شروع کیا ۔ ان رسائل میں خواتین نے بھی لکھنا شروع کیا۔ اس زمانے میں عورت کی مساوی حیثیت پر لکھنے والے لوگ نہیں تھے۔

ترقی پسند تحریک کے اثر کے تحت عورت کے روایتی تصوّر میں تبدیلی آئی اور شعوری طور پر اس کے مسائل یا زندگی کی دوڑ میں اس کے اندر مرد کے برابر ہونے کا احساس پیدا ہونے لگا۔ اب جدید شاعری میں عورت کی تصویر ابھرنے لگی تھی۔ انیسویں صدی کے اوائل میں خواتین کے لکھے ہوئے ناول ہمیں ملتے ہیں، جن کے بارے کہا جا سکتا ہے کہ یہ معاشرتی اصلاح پر مبنی ہیں۔ ان کا موضوع ، تعلیم، پردہ ، ساس کا بہو پر ظلم، شوہر کی دوسری شادی وغیرہ ہے، جن کی زیادہ تر لکھاری خواتین ہیں، جیسے رشیدہ النساء، صغریٰ ہمایوں مرزا، انوری بیگم، حشمت ا لنساء، احمدی بیگم وغیرہ۔ نذر سجاد حیدر نے اپنے ناولوں میں خاص طور پر عورت کے مسائل کو اپنا موضوع بنایا تھا۔ ترقّی پسند شاعروں کی طرح ترقّی پسند افسانہ نگاروں نے بھی اپنی کہانیوں میں عورتوں کی مساوی حیثیت پر زور دیا ۔ خاص طور سے رشید جہاں نے عورت کی کمتر حیثیت اور جہالت کو اپنے افسانوں اور ڈراموں کا موضوع بنایا۔ عصمت چغتائی، حاجرہ مسرور، خدیجہ مستور، رضیہ سجاد ظہیر، جیلانی بانو نے بھی عورتوں کے مسائل کو اپنا موضوع بنایا تھا۔ قرۃالعین حیدر کے ناولوں افسانوں کا موضوع اکثر عورت ہے، مگر یہ نچلے طبقے کی عورت ہرگز نہیں ہے۔

حجاب امتیاز علی کے ناول سے اردو ادب میں ایک نیا موڑ آیا۔ یہ پہلی ناول نگار خاتون تھیں جنہوں نے موضوع اور اسلوب دونوں میں ایک جدّت پیدا کی۔ اے ۔آر۔خاتون کے ناول شمع اور افشاں کافی مقبول ہوئے تھے ، اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے خواتین پر عائد کردہ پابندیوں کو ایک نئے زاویئے سے دیکھا تھا، جو موضوع کے اعتبار سے بہت پسند کئے گئے تھے۔ اسی دور کی روشن خیال خواتین میں حمیدہ سلطان ، عابدہ حسین اور خاص طور سے رضیہ سجاد ظہیر کا نام آتا

ہے۔ رضیہ سجاد اگر چہ اپنے شوہر سجاد ظہیر کی طرح فعّال تو نہیں تھیں، مگر ان کے ناول ترقی پسندی اور اصلاحی معاشرے کے جذبے سے بھر پور ہیں۔ ' ٹیڑھی لکیر' عصمت چغتائی کے فن کا شاہکار نمونہ ہے۔ ان کے ناولوں میں احتجاج کی گونج سنائی دیتی ہے۔ انہوں نے اپنی تحریروں میں روشن خیالی اور جرات کا اظہار جس طرح سے کیا، اس کے نتیجے میں آج خواتین کی ایک بڑی تعداد اس میدان میں سرگرم عمل ہے۔ چغتائی کی دنیا بہت وسیع ہے۔ اس نے اپنی تحریروں میں طنزو مزاح کو بھی بہت خوبصورت انداز میں جگہ دی ہے۔

جمیلہ ہاشمی (روہی اور تلاشِ بہاراں) بانو قدسیہ (راجہ گِدھ)، جیلانی بانو (ایوانِ غزل) صغریٰ مہدی (دھند، پابہ جولاں) ، خدیجہ مستور (آنگن اور زمین)، رضیہ فصیح احمد (آبلہ پا) وغیرہ اسلوب، موضوع اور تکنیک کی اچھی مثالیں ہیں۔ خواتین ناول نگاروں یا افسانہ نگاروں کی مشترکہ خصوصیت یہی تھی کہ انہوں نے عمومی مسائل کے علاوہ ایسے مختلف مسائل کو پیش کیا ہے جن کا تعلق صرف خواتین سے ہے۔ ناول نگاروں کی طرح افسانہ نگاروں کی فہرست بھی بہت لمبی ہے۔ حجاب امتیاز علی سے بشریٰ اعجاز تک اردو افسانے میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں ، جو آج تک جاری ہیں۔

اردو شاعری میں پانچ نام فہمیدہ ریاض، کشور ناہید، ادا جعفری، پروین شاکر، سارا شگفتہ بہت اہمیت کی حامل ہیں۔ یہ سب نام آزادی پسند، انقلابی، فیمنسٹ کی حیثیت سے نمائندہ نام ہیں۔ ان موضوعات پر بہت گہری اور طویل گفتگو کی جا سکتی ہے۔

لیکن میں اپنی گفتگو کو یہ کہہ کر ختم کرنا چاہوں گی کہ اب خواتین صرف کردار نہیں، بلکہ کرداروں کی خالق ہیں۔ ہم نہایت احترام کے ساتھ خواتین کے ادبی سفر اور ادب میں سفر کرنے والوں کے شکر گزار ہیں۔

Prof. Dr. Asuman BELEN ÖZCAN
Ankara, 2025

Ankara Üniversitesi
Dil ve Tarih-Coğrafya Fakültesi
Doğu Dilleri Dergisi / Journal of Oriental Languages

Cilt/Volume: X Sayı/Number: I Nisan/April: 2025

1947 HİNDİSTAN-PAKİSTAN AYRILIĞINDA KADINLARIN YAŞADIĞI SORUNLARIN URDU HİKÂYESİNE YANSIMALARI

Nuriye BİLİK*
Mehmet Kemal ÇAKMAKÇI*

Öz

Tarih boyunca pek çok göçe sahne olan Hint alt kıtası, 14 Ağustos'ta Pakistan'ın, 15 Ağustos 1947'de ise Hindistan'ın bağımsızlıklarını kazanıp müstakil birer devlet olarak kurulmalarıyla birlikte büyük bir göç dalgasına tanıklık etmiştir. Bu bölünme ile birlikte Pakistan tarafında kalan Hindu-Sihler Hindistan'a; Hindistan topraklarında kalan Müslümanlar ise yeni kurulan Pakistan'a göç etmişlerdir. Dünya tarihinde eşine az rastlanan bu mübadele döneminde, insanlık dışı pek çok olay yaşanmıştır. Aynı topraklar üzerinde yüzyıllardır kardeşçe yaşamış alt kıta halkları, ayrılık ile birlikte birbirlerinin düşmanları haline gelmiş, ardından yaşanan katliamlar, yağmalamalar, tecavüzler, kaçırılmalar, hırsızlıklar, çocukların kaçırılması gibi trajik olaylara tanıklık etmişlerdir. Bölünme sürecinde bu tür olaylardan en çok etkilenen kesimlerden biri de kadınlar olmuştur. Milyonlarca insanın göç etmek mecburiyetinde kaldığı bu dönemde kadınlar, cinsiyetlerinden dolayı düşman gruplar karşısında cinsel şiddete ve tacizlere maruz kalmış, aynı zamanda aileler parçalanmış kadınlar eşlerinden, çocuklarından ve aile üyelerinden ayrı düşmüşlerdir. Ayrılık sırasında tecavüze uğrayan veya şiddete maruz kalan kadınlar, genellikle toplum tarafından dışlanarak utanç ve damgalamalar ile karşı karşıya kalmışlardır. Bu dönemi konu edinen Urdu edebiyatçıları, yaşanan pek çok sorunun yanı sıra kadınların yüzleşmek zorunda kaldıkları problemlere de eserlerinde yer vermişlerdir. Mübadele döneminde ortaya çıkan meseleleri; Saadet Hasan Manto, İntizar Huseyin, Ahmed Nedim Kasimi, Krişen Çandar, Racender Singh Bedi, Upenderanath Eşk, Abdullah Huseyin, Kudretullah Şahab gibi edebiyatçıların yanı sıra Kurret-ul Ayn Haydar, Hadica Mastur, Zahide Hina, Nur-ul Huda Şah, İsmet Çağatay gibi kadın edebiyatçılar da hemcinslerinin göç zamanı karşılaştıkları sorunları eserlerinde konu edinmişlerdir. Bu çalışmada, 1947'de gerçekleşen Hindistan-Pakistan ayrılığı ile birlikte karmaşa dönemi olarak da adlandırılan süreçte alt kıtada yaşayan kadınların karşılaştıkları sorunların edebiyatçılar tarafından Urdu öyküsüne nasıl yansıtıldığı aktarılacaktır.

Anahtar Kelimeler

1947 Hindistan-Pakistan Ayrılığı,
Urdu Edebiyatı,
Göç,
Kadın,
Toplumsal Çöküş

Makale Hakkında

Gönderim Tarihi: 16.03.2025
Kabul Tarihi:01.04.2025
E-Yayın Tarihi: 27.04.2025

* Prof. Dr., Selçuk Üniversitesi, Edebiyat Fakültesi, Urdu Dili ve Edebiyatı Bölümü, nbilik@selcuk.edu.tr, ORCID: 0000-0002-2032-2870. DOI: 10.61134/audodilder.1659008.

* Dr. Öğr. Üyesi., Selçuk Üniversitesi, Edebiyat Fakültesi, Urdu Dili ve Edebiyatı Bölümü, mehmetkemalcakmakci@gmail.com, ORCID: 0000-0002-4912-9003. DOI: 10.61134/audodilder.1659008.

1947 REFLECTIONS OF WOMEN'S PROBLEMS IN INDIA-PAKISTAN PARTITION IN URDU FICTION

Abstract

The Indian subcontinent, which has witnessed significant migrations throughout history, experienced a massive wave of migration with the independence of India on August 15, 1947, and the establishment of Pakistan as an independent state on August 14 of the same year. With this partition, Hindu-Sikhs who remained on the Pakistani side migrated to India, and Muslims who remained on the Indian side migrated to the newly established Pakistan. During this period of exchange, which is unprecedented in world history, many inhumane events took place. The peoples of the subcontinent, who had lived as brothers and sisters on the same land for centuries, became enemies with the partition, and witnessed tragic events such as massacres, looting, rapes, kidnappings, thefts and abductions of children. Women were one of the most affected groups during the partition process. During this period, when millions of people were forced to migrate, women were subjected to sexual violence and harassment at the hands of hostile groups because of their gender, while families were torn apart and women were separated from their husbands, children, and family members. Women who were raped or subjected to violence during separation were often ostracized by society and faced shame and stigmatization. Urdu literary figures dealing with this period have included in their works, among many other problems, the problems that women had to face. In addition to literary writers such as Saadet Hasan Manto, Intisar Huseyin, Ahmed Nedim Kasimi, Krishen Chandar, Rajender Singh Bedi, Upenderanath Eshk, Abdullah Huseyin, Kudretullah Shahab, Ismet Chagatay, women literary writers such as Kurret-ul Ayn Haydar, Hadica Mastur, Zahide Hina, Nur-ul Huda Shah have also addressed the problems faced by their fellow women during the migration period. In this study, it will be explained how the problems faced by women living in the subcontinent during the so-called period of turmoil after the separation of India and Pakistan in 1947 were reflected in Urdu literature by literary figures.

Keywords

1947 India-Pakistan Partition, Urdu Literature, Migration, Women, Social Collapse

Article Info

Received: 16.03.2025
Accepted: 01.04.2025
E-Published:27.04.2025

Giriş

Hint alt kıtası barındırdığı yeraltı ve üstü zenginlikleriyle, pek çok Avrupalı devletin ticari seferlerinin odağı olmuştur. 1498'de Vasco de Gama önderliğinde Portekizliler, daha sonra İspanyollar, Hollandalılar ve son olarak bölgede 1857 yılına kadar siyasi açıdan da hüküm süren İngilizler alt kıtanın kaynaklarını ülkelerine aktarmışlardır. 1 Aralık 1600 tarihinde kurulan İngiliz Doğu Hindistan Şirketi, dönemin Hint-Türk İmparatorluğu Babür Devleti'nden aldığı imtiyazlar neticesinde pek çok liman şehrinden vergisiz ticaret yapma hakkını kazanırken (Özel, 2021: 241) yönetimde ise etkin olarak 1757'de Plassey Muharebesi'nden 1858 yılına kadar devam eden bir süreç geçirmiştir. İç çekişmelerin artması ve Avrupalı güçlerin bu

zayıflıklardan faydalanması sonucunda, bölgedeki İngiliz nüfuzu giderek güçlenmiştir (İşsever, 2024: 248). 1857 Hint Ayaklanması'ndan sonra 1858 Hindistan Hükümeti Yasası'yla birlikte Hindistan yönetimini Britanya Kraliyeti'ne devretmiştir.

Alt kıtayı siyasi olarak ele geçiren İngilizler, halkın ağır vergiler altında ezilmesine sebebiyet vererek topraklarına el koymuşlardır. Ayrıca, askeri mühimmat olarak kullanılan fişeklerin yapımında domuz ve inek yağının kartuşlarda ateşleyici olarak kullanılması, Hindu ve Müslüman sepoylar arasında büyük bir öfkeye neden olmuştur. Bunlara ilaveten memuriyetlerin İngilizlere verilmesi, Hindistan askerinin savaşmak üzere İran ve Afganistan gibi ülkelere gönderilmeleri, bölgede yer alan okulların vakıflara bağlanması (Kuyumcu, 2018: 26-27) gibi nedenlerden dolayı 11 Mayıs 1857 de İngilizler tarafından isyan, alt kıta halkı tarafından ise Özgürlük Mücadelesi, Bağımsızlık Savaşı isimleriyle adlandırılan bir savaş patlak vermiştir.

II. Bahadur Şah Zafer'in (ö. 1862) desteği ve izni alınarak başlayan ve hem Hindu hem de Müslüman halkı derinden etkileyen bu savaşta, Hint halkı ağır bir mağlubiyet almıştır. İngiliz Doğu Hindistan Şirketi, Hindistan'da büyük bir bölgenin yönetimini ele geçirmiş, Müslümanların iktidarı sona ermiştir (Özcan, 2012: 41). Ayrıca II. Bahadur Şah Zafer Rangon'a sürgün edilmiş, savaştan sorumlu tutulan Müslümanlar ekonomik, sosyal ve siyasi alanda ağır yaptırımlara maruz bırakılmıştır. Sonrasında İngilizler, hâkimiyeti tamamen ele geçirmiş ve Hint halkı, özellikle de Müslümanlar üzerindeki baskılarını daha da arttırmış, çeşitli zulüm yollarına gitmişlerdir (İşsever, 2019: 14) 1857 Bağımsızlık savaşının Müslümanlar açısından başarısızlıkla sonuçlanmasından dersler çıkaran fikir adamı ve yazar, Seyyid Ahmed Han (ö. 1898) Aligarh Hareketi adında bir hareket başlatarak, Müslümanların eğitim başta olmak üzere, toplumsal ve siyasal alanda hak ettikleri değeri görmesi için büyük çabalar harcayarak siyasi ve edebi anlamda çok önemli reformlar da gerçekleştiren ilk kişi olmuştur (Şahbaz, 2018: 114). Aynı şekilde Müslüman ve Hindu çoğunluğun bulunduğu topraklarda eşit imtiyazlar isteme beyanını dile getiren filozof, şair Muhammed İkbal, tarihe "Allahabad Söylevi" olarak geçen beyanları ile bağımsız bir Pakistan Devleti fikrinin temellerini oluşturmuştur. Gazeteci ve yazar Zafer Ali Han ve arkadaşları bu dönemde yazdıkları yazılar ile alt kıta Müslümanlarındaki bağımsızlık ateşini de yakmayı başarmışlardı (Görgün, 2022: 189). Diğer yandan Hint milliyetçilerinden Hayri kardeşler, (Abdülcabbar Hayri (ö. 1958) ve Abdülsattar Hayri (ö. 1945)), 1917'de Stockholm'de gerçekleşen konferansta Müslümanlar için bağımsız bir müstakil devletin kurulmasının gerekliliğini belirtmişlerdir.

Ülkeyi bağımsızlığa kavuşturacak diğer bir olay ise 1919 yılında Amritsar'da yaşanan ve tarihe "Caliyanvala Bağ Hadisesi" olarak geçen olaydır. İngilizlerin, alt kıta halkına uyguladığı ağır müeyyideleri protesto etmek amacıyla Pencab eyaletinin

Amritsar şehrinde bir araya gelen insanlara, ateş emri verilmesinin nihayetinde gerçekleşen katliamda yüzlerce masum insan öldürülmüş, binlercesi ise yaralanmıştır. Bu dönemde hayatını kaybedenlerin defin işlemleri İngiliz gözetimi altında ve sadece yakın akrabalarının katılımları ile gerçekleştirilmiştir (Zulfikar, 1996:224). Yaşanan tüm olumsuzluklara rağmen alt kıta halkının birlikte hareket etmesi vatanseverlik ve millet olma duygusunun güçlenmesine sebebiyet vermiş ve 1947 Hindistan'ın bağımsızlığını kazanmasında büyük bir rol oynamıştır.

Uzun yıllara dayanan Hindistan'ın bağımsızlık mücadelesi, içerisinde karmaşık bir süreci barındırmaktadır. Şiddete dayalı olmayan siyasi değişimin sadık bir savunucusu, usta bir taktikçi ve Hindistan Özgürlük Hareketi'nin öncüsü (Ahmed, 2017: 45) Mohandas Karamchand Gandhi'nin (ö. 1948), ülkesini iki yüz yılı aşkın bir süre sömürgeleştiren Britanya'nın hâkimiyetini sorgulamaya başlaması ve ardından bağımsızlık için –pasif direniş, sivil itaatsizlik gibi- eylemlerde bulunmasının yanı sıra halkın ekonomik sıkıntılar içinde olması, II. Dünya Savaşı'nın başlaması ve Britanya'nın Hindistan'ı bu savaşa kaynak olarak kullanması gibi nedenler Hindistan'ın bağımsızlığını kazanmasında etkili olmuştur. Diğer yandan din ve kültürel farklılıklardan dolayı bağımsız Müslüman bir devlet kurmanın gerekliliğine inanan Muhammed Ali Cinnah (ö. 1948) önderliğindeki Müslüman liderler, All India Muslim League (Tüm Hindistan Müslüman Ligi) gibi partilerle bu savları güçlü bir zemine oturtmuşlardır. Ayrıca 1940 tarihinde gerçekleşen ve tarihe '1940 Lahor Kararları' olarak geçen All India Muslim League toplantısında Müslüman çoğunluktaki yerlerde Müslüman bir devletin kurulması talep edilmiştir. Nihayetinde Hint alt kıtası, 14 Ağustos 1947'de Pakistan'ın, 15 Ağustos 1947'de ise Hindistan'ın bağımsız bir devlet olarak kurulmasının ardından büyük bir göç dalgasına tanıklık etmiştir. Bu coğrafyada 1947 yılına kadar farklı pek çok din, dil ve ırktan insan bir arada yaşamını sürdürürken İngilizlerin böl-parçala-yönet stratejisine maruz kalmaları nedeniyle pek çok acı ile karşı karşıya kalmışlardır (Görgün, 2023: 176). Büyük bir trajediyle sonuçlanan, etnik ve din kaynaklı şiddet olaylarına neden olan bölünme süreci, milyonlarca insanın yer değiştirmesine ve can kayıplarına neden olmuştur.

Hindistan-Pakistan bölünmesinde en çok etkilenen kesimlerden biri de kadınlar olmuştur. Mübadele döneminde kadınlar cinsel şiddet, taciz, cinayet, ailelerinden ayrılma, kaçırılma, toprak sahibi olma veya miras alma hakkından mahrum bırakılma, toplumsal normlar ve baskılarla karşı karşıya kalma gibi problemlerle yüz yüze kalmışlardır. 1947 ayrılığı edebiyatta geniş bir yer bulmuş, yaşanan sorunlar Urdu edebiyatçıları tarafından kaleme alınmıştır. Pek çok sorun ile birlikte, kadınların göç dönemi yaşadığı sıkıntılar da edebiyatta yer almıştır. Bu

dönemde kadınların meselelerini, Saadet Hasan Manto, İntizar Huseyin, Ahmed Nedim Kasimi, Krişen Çandar, Racender Singh Bedi, Upenderanath Eşk, Abdullah Huseyin, Kudretullah Şahab, gibi edebiyatçıların yanı sıra bazı hikâye ve romandan örnekler vereceğimiz bu çalışmada; Kurret-ul Ayn Haydar, Hadica Mastur, Zahide Hina, Nur-ul Huda Şah, İsmet Çağatay gibi kadın edebiyatçılar da hemcinslerinin göç zamanı karşılaştıkları sorunları eserlerinde konu edinmişlerdir.

1947 Hindistan-Pakistan Ayrılığında Kadınların Yaşadığı Sorunların Urdu Hikâyesine Yansımaları

Hint alt kıtasının bağımsızlığını kazanması ile bu coğrafyanın Hindistan ve Pakistan olarak ikiye ayrılmasıyla sonuçlanan 1947 Hindistan-Pakistan bölünme sürecini edebiyat dünyasında birçok yazar ile birlikte kadın yazarlar da eserlerine konu edinmişlerdir. Kadınların bu dönemde karşılaştıkları sorunlara kayıtsız kalmayan yazarlardan Krişen Çandar, Amritsar: Bağımsızlıktan Sonra adlı hikâyesinde; 1947'de Hindistan ve Pakistan'ın bağımsızlıklarını kazanmalarının ardından Müslüman, Hindu ve Sih toplumlarının hizip çatışmaları yaşadıklarını, zulüm, nefret ve din düşmanlığını ortaya çıkaran, aynı zamanda sınırların keyfi olarak çizildiğinden dolayı İngilizlere ağır eleştirilerde bulunmaktadır. Aynı zamanda kaleme aldığı bu öyküde, katliamlara ve yağmalamalara değinen yazar, kadınların göç sırasında cinsel saldırıya, tacize ve kötü muamelelere maruz kaldıklarını da aşağıda şu şekilde dile getirmiştir:

Gucranvala'ya geldiklerinde on beş kişi kalmışlardı. Önce paraları, sonra takıları gitmişti. Daha sonra kadınların bedenleri (Soydan, 2018: 27).

Aynı öyküde yazar, Caliyanvala Bağ Hadisesi'ne gönderme yaparak, bu topraklarda yüzyıllardır birlikte yaşayan halkın bağımsızlık adına büyük mücadeleler sergilediklerini ancak umut ettikleri bağımsızlığın beraberinde özellikle kadınlara karşı katliamları, yağmalamaları ve tecavüzleri beraberinde getirdiğini tüm gerçekçiliği ile yansıtmıştır. Öyküde toplumun temsilcisi olarak içinde güç ve direnç sergileyen bir annenin yaşadığı acı dolu anlar ile verdiği mücadele aktarılırken; son nefesini vermek üzereyken bile adalet arayışından ve sevdiklerinin hatırasını yaşatmaktan vazgeçmediği vurgulanmıştır:

Dar bir sokaktır ve gün ışığında bile loş bir havası vardır. Orada Müslümanlara ait sekiz, on ev vardı ve hepsi ya yakılmış ya da yağmalanmıştı. Kapıları açık, pencereleri kırıktı, çatıları yer yer yanıktı. Sokak ıssızdı ama sokağın zemininde kadın cesetleri vardı.

Geri dönmek istedim. Tam o anda birinin iniltilerini duydum. Sokağın ortasında cesetlerin arasında yaşlı bir kadın sürünmeye çalışıyordu. Ona yardım etmeye koştum.

"Su ver oğlum!"

Avucumla su getirdim. Kutsal Gurdvara'nın karşısında çeşme vardı. Avucumu dudaklarına dayadım.

"Allah'ın merhameti üzerine olsun oğlum! Sen kimsin? Her kim olursan ol, Allah'ın merhameti seninle olsun oğul! Bunlar ölmek üzere olan birinin sözleri, bunları unutma!"

Onu ayağa kaldırmaya çalışırken "Nerenden yaralandın ana?" diye sordum.

"Beni kaldırma. Ben burada öleceğim, kızlarımın, gelinlerimin arasında. Ne dedin sen? Yara mı? Ah oğlum, yaram ok derin. Yüreğimin tam ortasında benim yaram. Siz bu yarayı nasıl iyileştireceksiniz? Allah sizi nasıl affedecek?"

"Bizi affet ana!"

Fakat yaşlı kadın beni duymadı bile. Kendi kendine konuşup duruyordu. "Önce erkeklerimizi öldürdüler. Sonra evimizi yağmaladılar. Bizi sürükleyerek bu sokağa getirdiler. Buraya getirdiler, her gün saygıyla selamladığım kutsal Gurdvara'nın karşısına. Burada namusumuzu kirlettiler, sonra kurşun sıktılar. Ben onların ninelerinin akranıyım, bana bile acımadılar."

Birden yakama yapıştı. ""Sen biliyorsun, bu Amritsar şehri benim şehrim. Bu kutsal Gurdvara'yı her gün selamladım, kendi camimi selamladığım gibi. Benim sokağımda Hindular, Müslümanlar, Sihler yaşıyor. Kuşaklar boyu burada bir arada yaşadık; hep sevgi, saygı ve barış içinde yaşadık, hiçbir sorunumuz olmadı."

"Dindaşlarımı affet ana!"

"Ben kimim biliyor musun sen? Ben Zeynep'in annesiyim. Zeynep'in kim olduğunu biliyor musun sen? Zeynep, Caliyanvala Bağ günü o Beyazın önünde eğilmeden, ülkesi ve halkı için başı dik, onurlu bir şekilde bu sokaktan geçen kızdı. İşte o bu sokaktı. Zeynep'in şehit edildiği yer tam burasıydı." "İşte o Zeynep'in annesiyim ben. Senin yakanı kolay kolay bırakacak değilim. Bana yardım et, beni ayağa kaldır, ben yağmalanan onurumun, kızlarımın gelinlerimin kirletilen namuslarının hesabını sormak için siyasetçilerin karşısına dikileceğim. Bana yardım et. Onlara diyeceğim ki ben Zeynep'in annesiyim. Ben Amritsar'ın annesiyim; ben Pencab'ın annesiyim. Sizler kucağımı viraneye çevirdiniz. Bu yaşlı çağımda alnıma leke sürdünüz. Gencecik gelinlerimin, kızlarımın pak ve iffetli ruhlarını cehennem ateşine attınız. Onlara soracağım; Zeynep böyle bir bağımsızlık için mi canını feda etti? Ben… Zeynep'in annesiyim!" Birden kucağıma yığıldı, ağzından kan boşalmaya başladı. Bir dakika içinde canını verdi (Soydan, 2018: 31-32).

Krişen Çandar'ın 1947 bağımsızlık sonrası olayları bir trenin ağzından kaleme aldığı Peşaver Ekspresi adlı öykü göç dönemi yaşanan insanlık dışı olayları tüm gerçekçiliği ile aktarmaktadır. Öyküde mübadele dönemi gerçekleşen mal kayıpları, yağmalamalar ve katliamlar ile birlikte kadınların namuslarına göz dikildiğine ve vahşice katledildiklerine yer verilmiştir. Hikâyede konusu işlenen genç kızın ölümüyle birlikte, hayat dolu bedeni, çaresiz bir şekilde ormanda bırakılmıştır:

Gece saat ikide Anbala'dan hareket ettim ve on mil tikten sonra durduruldum. Birinci mevki vagon içeriden kilitliydi. Bu yüzden pencere camları kırıldı ve saldırganlar içeri daldılar. Komiser vekili, karısı ve küçücük çocukları orada katledildi. Komiser vekilinin genç bir kızı vardı; çok güzeldi, kolej öğrencisiydi. Gençlerden birkaçı onun kurtarılması gerektiğini düşündü. Bu güzellik, bu alım, bu gençlik birilerinin işine yarayabilirdi. Hemen genç kızı ve takı sandığını omuzlayıp trenden indiler ve ormana daldılar. Kızın elinde bir kitap vardı.

O arada, kızı serbest mi bırakalım yoksa öldürelim mi diye aralarında tartışmaya başladılar. "Beni niçin öldürüyorsunuz? Beni Hindu yapın, sizin dininize gireyim. Sizden bir benimle evlensin, canımı almakla elinize ne geçecek?"

İçlerinden biri "Doğru söylüyor. Bence..."

Diğeri, arkadaşının sözünü kesip "Bence işini bitirmek en iyisi" dedi ve kızın karnına bıçağı sapladı. "Yürüyün, haydi trene. Bu ne gereksiz tartışmadır böyle!"

Kız ormanda çimenlerin üzerinde debelene debelene öldü. Kitabı, kanıyla sırılsıklam oldu. John Strachey'in "The Theory And Practice of Socialism" kitabını okuyordu. Zeki bir kız olmalı. Yüreğinde, ülkesi ve ulusuna hizmet etme isteği taşıyor olmalı. Ruhu, birine âşık olma, birini arzulama, birine sarılma, bir bebeğe süt emzirme duygularıyla dolu olmalı. O bir kızdı, bir anneydi, bir kadındı, bir sevgiliydi. O kâinatın kutsal yaradılış giziydi. Oysa şimdi cesedi ormanda yatmaktaydı; çakallar, akbabalar ve kargalar onu tırmalayarak parçalayacaklardı (Soydan, 2018: 46-47).

Pakistan'ın önde gelen öykü yazarlarından Kudretullah Şahab, kaleme aldığı Ya Huda 'da 1947 ayrılığında Hindistan'dan Pakistan'a göç eden muhacirlerin durumunu Dilşad adlı bir kadın karakter aracılığı ile aktarmaktadır. Öykü, Sihler tarafından öldürülmüş, Hindistan'ın Çamkour kentindeki camiin imamı Molla Ali Bahş'ın camide tutulan ve Sihlerin ona tecavüz neticesinde hamile kalan kızı Dilşad'ın hayata tutunmasını anlatmaktadır. Yazar, Sihlerin Dilşad'ı karakola teslim etmeye karar vermesinin ardından kendisi için daha zorlu bir sürecin başladığına ve Dilşad'ın Anbala kampına vardığında ise kampın içinde bulunan ve zorla yer değiştirme veya sürgün gibi travmatik olaylar yaşamış kadın ve kızların bulunduğuna değinmiştir:

On, on beş gün sonra karakol amiri Labbhu Ram; dizleri, takımları ve belindeki ağrılar biraz olsun azalınca Dilşad'ı azat etti ve kıdemli polis memuru Deryu Dhan Singh eşliğinde onu Anbala kampına gönderdi. Yolda Deryu Dhan Singh'in de dizleri ve takımlarında birçok kez ağrılar oldu. Dilşad onun da ağrılarını çabucak giderip durdu. Böylece on saatlik yolu, on günde sağ salim kat edebilmişlerdi. Anbala kampında çok sayıda kız, çok sayıda kadın vardı; genci de vardı, güzeli de. Fakat hepsi ışıkları sönmüş, galaksileri yağmalanmış, parıltıları çamurla kaplanmış kayan yıldızlar gibiydiler (Soydan, 2018: 56).

Dilşad, Pakistan'a giderken trende bir kız çocuğu dünyaya getirmiştir. Lahor Tren İstasyonunda çocuklara Enver ve Reşit gibi isimlerle seslenildiğini duyunca kötü

günlerin geride kaldığını artık bu yeni İslam devletinde, kardeşlik içinde yeni bir hayata başlayacağını düşünmüş ama bütün hayalleri bir anda yıkılarak Pakistan'da da hiçbir şeyin farklı olmadığını tecrübe etmiştir. Hikâye aynı zamanda kampların içler acısı durumunu da gözler önünde sermektedir. Sefalet, açlık ve elverişsiz hava şartları göçmenleri derinden etkilemektedir. Diğer yandan yeni kurulan bu vatanda ötekileştirilme de büyük bir sorun teşkil etmektedir. Zorlu yolları aşarak gelen muhacirler ulaştıkları bu yeni vatanlarında kabul görmeme, aidiyetsizlik ve vatan özlemi gibi problemlerle yüzleşmek zorunda kalmışlardır. Pakistan ile Hindistan ayrılığının ardından gerçekleşen büyük göçü ve insanların yaşadıkları sefaleti konu edinen Ya Huda, çocuk, genç, yaşlı ve kadınların yaşadıkları zorlukları aktarmasından dolayı oldukça önemli bir eserdir.

Urdu dilinin önemli yazarları arasında yer alan ve eserlerinde mitolojik unsurlardan yararlanması ile tanınan Racandar Singh Beydi, öyküsü Lacuvanti'de, Lacu adlı kadın karakter üzerinden 1947 ayrılığında kaçırılan kadınların sorunlarına özellikle kadınların yaşadığı acılara ve toplumsal beklentilerle çelişen durumlara dikkat çekmiştir. Öykü, kadınların direnişini ve haklı mücadelesini vurgulayarak, onların ölüme karşı cesurca direndiklerini ve yaşama sıkı sıkıya tutunduklarını ifade etmekle birlikte, güçlü ve dirençli olduklarını göstermektedir. Bu dönemdeki en büyük meselelerden biri olan kadınların kaçırılması ve bulunan kadınların ise toplumun bireyleri tarafından kabul görmediğine yazar şu şekilde değinmiştir:

Ancak kaçırılan bazı kadınlar, kocaları, anaları, babaları, bacıları ve kardeşleri tarafından tanınmazdan geldiler: Niye geberip gitmedi ki! Neden zehir içip namusunu kurtarmadı? Dipsiz bir kuyuya atsaydı ya kendini! Bu şekilde hayata yapışıp kalmak korkaklıktan başka nedir ki! Yüzlerce, binlerce kadın, namusları yağmalanmadan önce canlarını vermişti. Bizimki neden aynısını yapmadı!.. Ama bu akrabalar, o kadınların hayatta kalarak kahramanca nasıl direndiklerini ve taş kesilmiş gözleriyle ölüme nasıl dik dik baktıklarını nereden bilebilir ki! Hem de kocasının bile onu tanımazdan geldiği bir dünyada. Kadınlardan biri, içinden kendi adını tekrarlayıp durdu: Suhag Vanti, Suhaglardan... Sonra o kalabalık içindeki kardeşine son kez bakarak "Sen de mi beni tanımazdan geldin nankör? Seni kucağımda yedirip büyüttüm ben!" demekle yetindi (Soydan, 2018: 135).

Modern dönem Urdu edebiyatçıları içinde yer alan Ramanand Sagir, kaleme aldığı Uzak Dur Bu Köle Tacirlerinden adlı öyküsünde 1947 Hindistan-Pakistan ayrılığı sırasında meydana gelen karmaşa ortamında kaçırılan kadınlara yer vermiştir. Kaçırılan kadınlar, genellikle namuslarına leke gelmiş olarak görülmüş ve toplum tarafından dışlanmışlardı. Bu durum kadınların yaşadığı toplumsal baskıların bir yansımasıdır. Öyküde kaçırılan ve hayatlarını kurtaran kadınların evlerine döndüklerinden sonra kabul görmediklerine yazar şu şekilde dile getirmiştir:

O ürkütücü sessizlik esnasında, sanki biri ateşte kızdırıp kor haline getirdiği günah dağlağıyla bedenimin her uzvunu dağlıyordu. Islak giysiler içindeki her bir uzvum korlaşmış ve yanıyormuş gibi hissetmeye başladım. Hatta elbiselerimi bile hissetme- meye başladım; kayınpederimin karşısında çırılçıplak kalmış gibiydim. Sonra nasıl oldu bilmiyorum, elimi uzatıp onun sarındığı, üzerinde binlerce Rama adı yazılı şalı çekip aldım ve örtündüm... ama yine de çıplaktım.

Kocam "Delirmişsin sen. Yoksa bu halinle buraya gelmezdin" dedi.

"Ben deli değilim ama artık deliriyorum" diye çığlık attım.

"Şiişşt! Sessiz." Kayınpederim alçak bir sesle beni uyardı.

"Komşular uyanacak, onlar seni öldü biliyorlar."

"Yalan! Köyümüzün kızlarının kaçırıldığını herkes biliyor." Artık konuşmaya başlamıştım.

"Bu doğru. Ama herkes kızının kendini nehre atarak namusunu kurtardığını söylüyor."

"Yani şimdi onlardan hiçbiri kızını geri almayacak mı?"

"Başka bir erkek hayaletini evine kim sokar ki!"

"Ey Rama, ne korkunç bir zulüm bu!" Ağlamaya başladım. "Zulüm değil, dünya böyle. Onur ve namus olmadan bu dünyada kimse yaşayamaz." (Soydan, 2018: 155)

Günümüzde dahi birçok toplumda kadınların değişen statüsünü kabul etmede bazı eksiklikler bulunmaktadır (Taşdan & Dost, 2017, s. 238). Uzak Dur Bu Köle Tacirlerinden öyküsünde yazar, kadınların yaşadığı içsel çatışma ve toplumsal baskılarla, toplumun kadınlara yönelik algısından duyduğu rahatsızlığı ifade etmektedir. Yine yazar, kadınların kendilerini köle gibi hissettiklerini ve toplumun kadınları birer meta gibi gördüğünü belirtmiştir. Bu öykü Hindistan'ın bölünmesi sırasında kadınların yaşadığı acıyı ve toplumsal baskıyı gözler önüne sererken kadınların her iki tarafta da (Hindistan-Pakistan) aynı baskı ve zulmü yaşadıklarını vurgulamaktadır. Son olarak hikâye; toplumun kadınlara yönelik algısını ve kadınların yaşadığı zorlukları sorgulayarak, kadınların hayatlarını özgürce sürdürmeleri ve toplumsal cinsiyet eşitliği sağlanması için mücadele etme çağrısında bulunmaktadır:

Ben giderken beni rahatlatmak için olsa gerek dedi ki "Üzülmene hiç gerek yok. Onlardan intikamımızı misliyle aldık. Köyümüzden kaldırdıkları kadınlardan daha fazlasını onların köylerinden kaldırıp köyümüze getirdik."

"O kadınları evlerimize mi kapattınız?" Öfkeyle bağırdım.

"Evet... Onları kaçırıp evlerimize kapatmakla onurumuzu kurtardık!" Kayınpederimin göğsü gururdan kabardı ve evin içini işaret ederek "Bizde de iki tane var" dedi.

Daha fazla bir şey duymaya dayanamadım. Sanki o ana kadar kadın tüccarları ve köle tacirlerinin ağında yaşamış olduğumu hissettim. Koşarak oradan uzaklaşmaya başladım ve koştukça koştum.

Hem koşuyor hem de peki ben böyle koşarak nereye gidiyorum diye düşünüyordum. Namuslu kadınlar için kendi Hindistan'ımda bile onların Pakistan'ında olanların aynısı yaşanıyordu. Bu iki ülke, yapay namus perdesini yırtıp sadece kadının çıplak bedeni etrafında raks ederek gerçek yüzlerini gösteren erkeklerin ülkeleriydi. Oralarda kadına yer yoktu.

Ülkenin toprağını paylaştıkları gibi bedenlerimizi de paylaşmışlardı fakat kaçırılan bir kadını, bir anneyi muhtemelen hiçbiri almak istemiyordu (Soydan, 2018: 156-157).

Upenderanath Eşk, öyküsü Plato'da, Hindistan'ın bölünmesi sırasında yaşanan etnik, dini şiddet olaylarının yanı sıra bu olayların bireyler üzerindeki etkilerini de anlatmaktadır. Öykü, özellikle Hindu ve Müslüman topluluklar arasındaki çatışmayı ve yaşanan vahşeti gözler önüne sermektedir. Pakistan'da Hindu- Sih kadınlara ve çocuklara yapılan vahşetin anlatıldığı öyküde, Hindu ve Sihlerin de Müslümanları canlı canlı ateşe attığı, kadınlara tecavüz edildiği, annelerin çocuklarının gözü önünde boğazlarının kesildiğine değinilmiştir:

Dina Nath, Pakistan'da Hindu ve Sih kadın ve çocuklara yapılan vahşi zulme ilişkin çok şey duymuştu. Bekâr kızlar iğfal edilmiş, çırılçıplak soyularak dans ettirilmiş, yaşlı kadınların göğüsleri kesilmiş, anne babalarının önünde kızlara tecavüz edilmişti. Çocuklarının gözleri önünde anne babaların boğazları kesilmiş, katliamlar, cinayetler ve kan dökmelerle ilgili yürek parçalayan hikâyeler dinleye dinleye yüreğini kin kaplamıştı. Fakat bu yaşlı adamdan Caledher'de Müslümanların başına gelenleri dinledikçe tüyleri diken diken oldu. Rama ve Krişna; Nanak ve Goband inananlarının Müslümanlara yapmadıkları zulüm kalmamıştı. Yaşlı adam, istasyonun yanında bulunan iki büyük yağ ocağına kurbanlık koyun gibi Müslümanları canlı canlı atıyorlar ve Brahmanlar, bu kurbanları intikam tanrısına sunarak çılgınlar gibi çok yaşa, var ol naraları atıyorlardı diye anlattığında, Dina Nath oturduğu sandalyede oturamaz hale gelmişti (Soydan, 2018: 202).

Ahmed Nedim Kasimi öyküsü Men İnsan Hun'da bölünme sürecinin dehşetini ve insanlık dışı olaylarını aktarmaktadır. Öyküde, ölen kadın ve çocukların cesetlerinin görüntüsü, insani bir trajediyi temsil etmektedir. Özellikle çocukların annelerinin yanında ölmüş olması, acının ve kaybın derinliğini arttırmaktadır. Kadınların, çocukların onurunun ve masumiyetinin nasıl gasp edildiğine dair bir vurgu yapan yazar, bölünmenin sadece fiziksel zarar vermekle kalmayıp aynı zamanda manevi yıkıma yol açtığını da dile getirmektedir:

Mısır tarlasına sürünerek gelir gelmez, oldukça fazla kadın ve çocuk cesetleri gördüm. Küçücük bebekler annelerinin kesik kalçalarına pusmuş ve anneler iffetlerinin sönük lambasını

yaralı kollarıyla tutarak: Meleklerin sevdalı secdelerinin karşılığı bu muydu? İblis gerçekten bunu kıskanıp da mı isyan etmişti? (Kasimi, 1952: 21-22).

Yüzyıllardır bir arada yaşayan Müslüman, Hindu ve diğer toplulukların yaşadığı bölgede büyük bir ayrışmayı temsil eden, etnik ve dini çatışmalara neden olan, milyonlarca insanın yerinden edilmesi, hayatlarını kaybetmeleri veya göç etmek zorunda kalmalarının anlatıldığı göç döneminin önemli yazarlarından Saadat Hasan Manto'nun Açıver adlı öyküsünde başkarakter Sakina'nın annesinin karşıt gruplar tarafından nasıl vahşice katledildiği şu şekilde aktarılmıştır:

Yere çöken Siraceddin hafızasını zorlayarak Sakina'yı ne zaman ve nerede kaybettiğini düşünmeye daldı. Ancak bu düşünceler git gide tüm bağırsakları dışarı dökülmüş Sakina'nın annesinin cesedinde donup kalıyordu; sonrası mı? Sonrasını hatırlayamıyordu (Manto, 2007: 340).

Manto'nun okuyucuyu bölünme sırasında yaşanan trajedilere ve kaosa odaklandırdığı bir başka öyküsü Shaye'de bu dönemdeki kadınların yaşadığı zorlu göç koşullarına ve bu koşullarla nasıl başa çıktıklarına dikkat çekilmektedir. Öyküde göç zamanı tecavüze uğrayan göçmen kadınların yaşadıkları belirsizlik ve güvencesizlikle birlikte zalimliğin hesabının kim tarafından tutulacağı gibi ahlaki ve hukuki soruların yanı sıra kendilerinde oluşan travmaların ve haksızlıkların ne olacağının yarattığı bilinmezlik yazar tarafından ele alınmıştır:

Dışlanan kızlar veya kadınlar aklıma geldiğinde sadece şişkin karınları tahayyül ederdim. O şişkin karınları ve o dokuz süren aylık hamileliği. O karınların içlerindekilerin sahipleri kim? Pakistanlılar mı yoksa Hindistanlılar mı? Maaşlarını Pakistan mı yoksa Hindistan mı ödeyecek? Tüm her şey zalim doğanın hesabına mı yazılacak? (Manto, 2007: 312-315).

Kadınların göç dönemi yaşadığı zorluklara, toplumsal ve psikolojik problemlere Urdu Edebiyatında Zahide Hina, Sacid Reşid, Selam Bin Rizak, Hayattullah Ensari, Yunus Cavid, İsmet Çagatay, Kurret-ul Ayn Haydar ve İntizar Huseyin gibi yazarlar da kaleme aldıkları öykülerinde yer vermişlerdir.

Sonuç

1947'de Hindistan'ın bağımsızlığı ile Pakistan ve Hindistan olarak iki ayrı devlete ayrılan Hint alt kıtası, yaşanan ayrılıkla birlikte pek çok insanlık dışı olayın yaşanmasına tanıklık etmiştir. Gerçekleşen mübadeleyle birlikte Hindistan'dan Pakistan'a göç eden Müslümanlar ve Pakistan'dan Hindistan'a göç eden Hindu-Sihler, ülkelerini terk ederken yıkım, yağma ve ateşe verme gibi olaylara neden olmuş; göç yolculukları sırasında birbirlerine düşmanca tavırlar sergileyerek katliamlara,

kaçırılmalara, tecavüzlere ve kayıplara yol açmışlardır. Meydana gelen insanlık dışı olaylara Urdu dilinde eser üreten edebiyatçılar da duyarsız kalmayarak, yaşanan mezalimi konu edinmeyi görev bilmişlerdir. Bu dönem, şiir, öykü ve roman alanında geniş yankı bulmuş; sonraki kuşak edebiyatçılarının eserlerinde başlıca konulardan biri hâline gelmiştir. Urdu dilinde öne çıkan ve kadın sorunlarını içeren hikâyelerden alıntılar yaptığımız bu çalışmada, kadınların göç yolculuğunda şiddet, sömürü, istismar, kabul görmeme, toplumsal baskı ve toplumsal eşitsizlik gibi kavramlarla karşı karşıya kaldıkları görülmektedir.

1947'de Hindistan-Pakistan bölünmesi, Urdu edebiyatında kadınların deneyimlerine ve meselelerine daha fazla dikkat çekilmesine neden olmuştur. Bu dönemde, kadınların yaşadığı zorluklar, acılar ve mücadeleler birçok eserde ele alınmıştır. Sadece siyasi sınırların değiştirilmesiyle kalmayıp, milyonlarca insanın hayatını da derinden etkileyen Hindistan'ın bölünmesi esnasında yaşanan tüm bu zorluklara rağmen kadınlar, mültecilere yardım etmek, ailelerini yeniden bir araya getirmek ve kadın haklarını savunmak için büyük mücadeleler sergilemişlerdir. Kadınların, Urdu edebiyatında da birer kahraman ve rol model olarak tasvir edildiği görülmektedir.

KAYNAKÇA

Ahmed, N. (2017). Hindistan'ın Bölünmesi (1947) (T. İğci, Çev.). Yeni Türkiye, XXIII (96), 45-61.

Görgün, H. (2023). Alt Kıtada İngiliz Hâkimiyeti, Edebi Akımlar ve Fesadat Dönemi Yazarlarından Kudretullah Şahab. Şarkiyat Mecmuası, (43), 173-185.

Görgün, H. (2022). Balkan Savaşları Döneminde Hindistan Müslümanlarının Faaliyetleri. Şarkiyat Mecmuası, (41), 181-196.

İşsever, M. R. (2019). Mevlana Zafer Ali Han'ın Özgürlük Mücadelesi ve Hapishane Günleri. Şarkiyat Mecmuası, (35), 11-22.

İşsever, M. R. (2024). Muhammad Iqbal And The Turks. Akademik Platform İslami Araştırmalar Dergisi, 8(2), 243-257. https://doi.org/10.52115/apjir.1530081

Kasimi, A. N. (1952). Dar-u-Divar. Lahore: Chaudhari Iftikhar Ali.

Kuyumcu, H. (2018). Pakistan Tarihi (1857-1958). Konya: Sagem Yayıncılık.

Manto, S. H. (2007). Fasane Manto ke (K. Ashraf, Ed.). Delhi: Kitabi Duniya.

Özcan, A. B. (2012). Doğu Kültüründe Anlatı Geleneği Urdu Nesri. Ankara: Hdy Yayıncılık.

Özel, T. (2021). İngiliz Doğu Hindistan Şirketi. İstanbul: Vadi Yayıncılık.

Soydan, C. (Çev.). (2018). Göç Öyküleri. Ankara: Hece Yayınları.

Şahbaz, D. (2018). Seyyïd Ahmed Han'un Pakïstan İdeolojïsïnïn Oluşumuna Katkıları. Nüsha, (47), 109-126.

Taşdan, T. E., & Dost, B. Ö. (2017). Evaluation of the Concept of Gender in Turkish Society. Within the Framework of Cultural Anthropology. Researcher: Social Science Studies, 5(8), 235-246

Zulfikar, G. H. (1996). Caliyanvala Bağ ka Katliam aur Mezalim-i Pencab, Seng-i Meel Publications.

Ankara Üniversitesi
Dil ve Tarih-Coğrafya Fakültesi
Doğu Dilleri Dergisi / Journal of Oriental Languages

Cilt/Volume: X Sayı/Number: I Nisan/April: 2025

SULTAN JAHAN BEGUM OF BHOPAL: AN ANALYTICAL STUDY OF HER LEGACY AND THE LINGUISTIC CONTRIBUTIONS OF THE WOMEN SULTANS OF BHOPAL TO THE URDU LANGUAGE

Muhsin Ramazan İŞSEVER*

Abstract

The Bhopal State, founded in 1709 and joined India in 1949 after the partition of the United India, was ruled by four female monarchs who made significant progress in social and administrative fields, especially during the reign of female monarchs. The era of female monarchs, starting with Nawab Qudsia Begum (r. 1819-1837), continued with Nawab Sikander Begum (r. 1844-1868), Nawab Shah Jahan Begum (r. 1868-1901), and Sultan Jahan Begum (r. 1901-1926) who became the last female monarch to ascend the throne of Bhopal. Nawab Sikander Begum went on a pilgrimage to the Hijaz in 1864. She kept her impressions of this journey in daily notes and later penned them down under the title Yad Dast-e-Tareekh-e-Waqai-e-Hajj in 1864. This work is the first example of a travelogue written by women in the Urdu language. Additionally, Sikander Begum changed Bhopal's official language from Persian to Urdu. Following in her mother's footsteps in the field of writing, Nawab Shah Jahan Begum wrote poetry in the Urdu language under the pen name Shirin and also has a collection of poetry in Urdu. Her granddaughter, Sultan Jahan Begum, was known for her educational and health reforms, literary works, and efforts to preserve the Urdu language. She opened various institutions to empower Muslim women in society and financially supported these institutions. Under Sultan Jahan Begum's rule, women in Bhopal played a significant role in preserving, developing, and spreading the Urdu language. Moreover, Nawab Sultan Jahan Begum has over 40 works contributing to Urdu literature. Among her works are books covering a wide range of topics such as child development, recipes, education, politics, and religion. Sultan Jahan Begum not only contributed through her own works but also supported significant works in Islamic history, such as Asr-i Saadat by Shibli Nomani, which consists of thousands of pages, contributing to the development of Urdu language and literature. In this article, we will discuss the contributions of Bhopal women to the development of the Urdu language and their contributions to the cultural heritage.

Keywords

Bhopal
Women Urdu language
Literature Sultan Jahan Begum

Article Info

Received: 16.03.2025
Accepted: 01.04.2025
E-Published:27.04.2025

* Dr. Research Fellow, Department of Urdu Language and Literature, Istanbul University, Istanbul, Türkiye, email: muhsinissever89@gmail.com. ORCID: 0000-0001-7979-5827.
DOI: 10.61134/audodilder.1659043.

BHOPAL SULTANI CİHAN BEGÜM: MİRASI VE BHOPAL KADIN SULTANLARIN URDU DİLİNE KATKILARI ÜZERİNE ANALİTİK BAKIŞ

Öz

1709 yılında kurulan ve Birleşik Hindistan'ın bölünmesi sonrasında 1949'da Hindistan Devleti'ne katılan Bhopal Devleti; dört kadın hükümdar tarafından yönetilmiştir. Özellikle kadın hükümdarlar döneminde sosyal ve idari alanlarda önemli ilerlemeler kaydetmiştir. Nitekim Nevvab Kudsiye Begüm (s. 1819-1837) ile başlayan kadın hükümdarlar yönetimi Nevvab İskender Begüm (s. 1837-1868), Nevvab Şah Cihan Begüm (s. 1868-1901) ile devam etmiş ve Sultan Cihan Begüm (1901-1926) Bhopal tahtına oturan son kadın hükümdar olmuştur. Nevvab İskender Begüm 1864 yılında Hac için Hicaz'a gitmiştir. Bu seyahate dair izlenimlerini günlük notlar hâlinde tutmuş ve 1864'te Hac yolculuğundan döndükten sonra Yâd Dâşt-ı Târih-i Vakâyi-i Hac adıyla kaleme almıştır. Bu eser Urdu dilinde kadınlar tarafından yazılan ilk seyahatname örneğidir. Ayrıca İskender Begüm, Bhopal'in Farsça olan resmi dilini Urduca olarak değiştirmiştir. Yazma alanında annesinin izinden giden Nevvab Şah Cihan Begüm, Şirin mahlası ile Urdu dilinde şiirler yazmıştır. Aynı zamanda Urdu dilinde bir divanı bulunmaktadır. Torunu Sultan Cihan Begüm ise eğitim ve sağlık reformları, edebi eserleri ve dilin korunması için yaptığı çalışmalarla tanınmıştır. Müslüman kadınların toplumdaki konumunu güçlendirmek için çeşitli kurumlar açmış ve bu kurumları maddi olarak desteklemiştir. Sultan Cihan Begüm'ün liderliğinde Bhopal'deki kadınlar; Urdu dilinin korunması, gelişimi ve yayılmasında önemli bir rol oynamışlardır. Ayrıca bizzat Nevvab Sultan Cihan Begüm'ün Urdu edebiyatına katkıda bulunan kırktan fazla eseri bulunmaktadır. Eserlerinin arasında, çocuk gelişimi, yemek tarifleri, eğitim, siyaset ve din gibi geniş konuları kapsayan kitaplar bulunmaktadır. Sultan Cihan Begüm, kendi eserlerinin yanında İslam tarihinin önemli eserlerinden biri olan Şibli Numani'nin Asr-ı Saadet gibi binlerce sayfadan oluşan eserlere sağladığı destek ile de Urdu dilinin ve edebiyatının gelişimine katkıda bulunmuştur. Makalemizde, Bhopal kadınlarının Urdu dilinin gelişimi konusundaki katkılarına ve bu tarihi figürlerin kültürel mirasa katkılarına değinilecektir.

Anahtar Kelimeler

Bhopal Kadın Urdu
Dili Edebiyat
Sultan Cihan Begüm

Makale Hakkında

Gönderim Tarihi:
16.03.2025
Kabul Tarihi:
01.04.2025
E-Yayın Tarihi:
27.04.2025

Introduction

The historical princely state of Bhopal, located on the Indian subcontinent and a significant dominion in the annals of the region's history, is currently included within the boundaries of the state of Madhya Pradesh in present-day India. It is postulated that the nomenclature 'Bhopal' has its etymological roots in 'Bhoj-pal,' a term that translates as 'the dam of Bhoja[1].' The city of Bhopal, often dubbed the 'City of Lakes,' owes this moniker to the copious number of lakes within its confines ("Brief History of the District Bhopal", t.y.). The dam constructed by Raja Bhoja,

[1] Raja Bhoja was a king belonging to the Paramara dynasty, who reigned in the region of Bhopal from 1010 to 1055.

known as 'Bhoj-pal' or 'Bhoj-tal', not only meets the water needs of the city of Bhopal, but also plays a key role in maintaining the ecological balance of the area.

Bhopal, which has attracted the attention of different powers throughout history with its strategic location and natural resources, this time caught the attention of a leader of Afghan origin in the early 18th century. In fact, Dost Mohammad Khan, who hailed from the Afghan-origin Mirzai tribe and distinguished himself in the Mughal Army, was esteemed for his steadfast loyalty to Mughal Sultan Aurangzeb. He is particularly renowned for his unwavering allegiance to Mughal Sultan Aurangzeb. Following the news of Aurangzeb's demise on February 20, 1707, he relocated around Bhopal to avoid the succession conflicts among the Sultan's sons. In 1709, he founded the State of Bhopal (Husain, 2001: 309-310). Thus, in the early 18th century, Bhopal fell under Afghan control and was governed by their progeny for nearly two centuries.

In the 19th and 20th centuries, the State of Bhopal, particularly during the era of female sovereigns, left an indelible historical and cultural mark on the identity of Bhopal. ("Bhopal", t.y.) The first woman to ascend the throne of Bhopal's rulership was Nawab Qudsia Begum (1819-1837), who pioneered social reforms during her reign. Subsequently, Nawab Qudsia Begum's daughter, Nawab Sikandar Begum (1844-1868), took over the throne of Bhopal and, during her dominion, recognized the Urdu language as the official language of the country. Her daughter, Nawab Shah Jahan Begum (1868-1901), composed poetry in the Urdu language. The last female ruler of the State of Bhopal, Sultan Jahan Begum (1901-1926), implemented educational and health reforms and contributed to Urdu literature. Two years after India gained independence in 1947, the State of Bhopal merged with the State of India.

At the beginning of the 19th century, the State of Bhopal experienced a notable political shift. Between 1816 and 1819, Nazir Muhammad Khan ruled as the sovereign, during which he established strategic diplomatic ties with the British, culminating in treaties that ensured British protection. Upon the death of Nazir Muhammad Khan, his wife, known as Gauhar Begum or Qudsia Begum, successfully seized political authority ("Brief History of the District Bhopal", t.y.). This development marked the ascent of female leadership in Bhopal and signified the beginning of substantial changes in the state's political structure. The strategic foresight and diplomatic acumen of Nazir Muhammad Khan, followed by the assertive rise of Gauhar Begum, not only fortified Bhopal's political stature but also heralded a new era of female empowerment and governance that would shape the state's destiny for decades to come.

An Analytical Study of Contributions of the Women Sultans of Bhopal to the Urdu Language

Nawab Qudsia Begum reigned as the first female sovereign of the State of Bhopal from 1819 to 1837. In her twenties, during her husband's funeral, she delivered a powerful speech calling for unity, which not only quelled familial tensions but also saw her assume the mantle of leadership and state administration. In her address, she invoked the will of her late husband, Nawab Nazir Muhammad Khan, declaring that their infant daughter, Sikandar Begum, then only fifteen months old, should be recognized as the ruler~~,~~ and that she herself would serve as the sovereign until her daughter came of age and married, thus inaugurating the first female rule in Bhopal. Her tenure was characterized by strategic alliances with throne rivals, showcasing her leadership prowess and mastery in governance (Khan, 2000: 71). Nawab Qudsia Begum's ascension to the throne as Bhopal's first female ruler was not merely a historical turning point for the region but also set a precedent for women's leadership and governance. Skilfully navigating ~~through~~ internal family strife and political rivalries and taking decisive steps to fulfil her late husband's testament, she reflected her strong leadership qualities and strategic expertise in statecraft. Her reign marked the beginning of a transformative era in Bhopal, paving the way for future female rulers to continue her legacy of robust and effective governance.

Nawab Qudsia Begum implemented reforms aimed at strengthening the social, educational, and administrative structure of the State of Bhopal and enhancing the welfare of its people. She made significant efforts to improve the status of women in society and empower their participation and development in social life. To ensure easy access to drinking water for the people of Bhopal, she initiated the construction of water channels. She began building a railway to connect the Bhopal region with Mecca, the holy city for Muslims. She also facilitated free accommodations for Bhopal citizens during the Hajj in Mecca and Medina (Çiftsüren, 2023: 82-83). Nawab Qudsia Begum and her daughter, Sikandar Begum, presented a thousand riyals[2] to the Ottoman Sultan (Korucu Üçüncü, 2019: 83). Nawab Qudsia Begum's comprehensive reforms not only fortified the State of Bhopal's socio-educational and administrative edifice but also catalysed the enhancement of women's societal standing, thereby fostering their empowerment and societal development. The provision of complimentary accommodations for Bhopal's pilgrims during the Haj, along with the diplomatic gesture of presenting a thousand riyals to the Ottoman Sultan by Nawab Qudsia Begum and her daughter, Sikandar Begum, exemplify their commitment to both their people and the broader Islamic community.

[2] For riyal, see Bölükbaşı (n.d.).

Although Qudsia Begum did not have a literary persona, she held poets, writers, and scientists in high esteem, which led to the progression of science and literature during her reign. The advancement of Urdu literature and other scientific fields in the State of Bhopal in her era is documented by Nawab Shah Jahan Begum in her work titled *Taj-ul-Iqbal* as follows:

> *"Under the administration of Nawab Qudsia Begum, there was notable progress among the literati. Eminent figures such as Judge Shehzad Messiah, Raja Khosh Waqt Rai, and Chand Kayasth mathematician, writer, and diarist led the way in advancements. Scholars of the era included Mawlavi Abdul Qadir, Mawlavi Shehabuddin, Mawlavi Rauf Ahmed, Mawlavi Imdat Ali, Mawlavi Judge Khadim Hussein, Peshkar Munshi Bakaullah Khan Hyderabadi, Judge Gulzar Ali Khan, and Judge Bahadur Ali Khan"* (Efşan, 2012: 47).

After Qudsia Begum, her son-in-law Nawab Jahangir Muhammad Khan ascended to the throne of Bhopal in the period between 1837-1844. Regarding Jahangir Muhammad Khan, the Urdu literature critic and writer Saleem Hamid Rizvi[3] states the following in his work titled *Urdu Adab ki Tarakki mein Bhopal ka Hissa*:

> *"He assembled the populace of Delhi and distributed extensive tracts of land and other benefits to scholars and intellectuals. He established a modern settlement, which he named Jehangirabad, created gardens in the English style, and constructed mansions. He integrated the English into the administrative structure of Bhopal. Nevertheless, alongside these developments, certain elements began to corrupt the previously unblemished civilisation. Similarly, the tendency towards extravagance and indulgence, which had previously been confined to the Nawabs of the East, began to manifest itself more widely. As a result, prostitution began to flourish, drinking assemblies were convened, and the market for dance and entertainment rose. A considerable number of dancers and singers from outside the region settled in Bhopal. Nawab Bey also evinced a keen interest in poetry and poets. He himself was a poet with a divan and appointed poets to significant positions in the palace. Consequently, many poets from outside arrived during his tenure. Bhopal, like Delhi, Lucknow, and Tonk, became a major centre for poets"* (Çişti, 1981: 54).

Nawab Sikandar Begum (1844–1868): Administrative Reformer and Linguistic Pioneer

Sikandar Begum was trained instruction from her mother in the arts of warfare and diplomacy. Upon assuming the role of ruler in Bhopal, she initiated a series of

[3] Saleem Hamid Rizvi has made a significant contribution to Urdu literature, publishing a substantial body of work comprising critical essays, short stories and articles. His oeuvre predominantly examines the evolution and advancement of Urdu literature, with a particular emphasis on the Bhopal region. ("Urdu Books of Saleem Hamid Rizvi", n.d.)

reforms across various sectors, including the military, administrative, and judicial. Additionally, she introduced postal services and spearheaded the transition of the official language in Bhopal from Persian to Urdu. She placed a premium on infrastructure projects, such as road construction, and for the benefit of the populace, she established hospitals and places of worship for the region's diverse religious communities. She was a proponent of railway construction, although the inaugural train service commenced during the tenure of Shah Jahan Begum (r. 1868-1901). In 1861, the British government bestowed the Order of the Star of India upon Sikandar Begum, conferring upon her the title of Knight Grand Commander of the Star of India (GCSI) [4] (Çiftsüren, 2023: 83). Sikandar Begum established a medical school and appointed an Unani medicine specialist.("Begums of Bhopal", t.y.) She was instrumental in the establishment of the first official press in Bhopal and opened numerous schools.(Konukçu, 2000: 560-561) By establishing the official press and opening schools, she contributed to the developing Urdu language. Thus, the reforms and improvements carried out by Sikandar Begum ensured that Bhopal preserved its Islamic traditions and culture while also being open to modern advancements.

On 6 January 1864, Sikandar Begum commenced a pilgrimage ~~in order~~ to fulfil her Hajj obligation. She documented her observations during the journey in a work titled *Yad-dasht-i-Tarikh-i-Vaqayi-i-Haj.* This work, which has also been translated into English, is regarded as the inaugural travelogue written by a woman in Urdu. In her work *Ayin-i-Sikandari*, written in Persian with an accompanying Urdu translation, Sikandar Begum set forth the qualities that she considered essential for a ruler. This work was published by her daughter, Sultan Jahan Begum (Çiftsüren, 2023: 84-85). These contributions ~~serve to~~ illustrate the pivotal role played by Sikandar Begum in the literary and cultural development of her era.

During Sikandar Begum's reign, notable advancements were made in developing the Urdu language. Initiatives were undertaken to substitute Persian with Urdu as the official language and to guarantee the appropriate and pervasive utilization of Urdu. Nawab Sultan Jahan Begum elucidates this context in her work *Hayat-i-Sikandari* as follows:

> *"She was gifted in the Urdu language, and her writings were devoid of affectation; she always wrote exactly as she spoke. Despite her proficiency in Persian, she wrote very little in that language. According to her, the words used in daily conversation should be written and put on paper. Therefore, every order she issued was written in the exact words she spoke, and those working under her administration were instructed to follow this practice"* (Efşan, 2012: 59).

[4] Iskender Begum's daughter was also honoured with the same title during her reign.

This oppressive political atmosphere, coupled with the cultural dislocation caused by British policies, paradoxically gave rise to renewed local efforts to preserve and promote indigenous languages such as Urdu. In Bhopal, Sikandar Begum's reign stood out as a remarkable example of such cultural resilience. The reign of Sikandar Begum, while these developments were taking place in Bhopal, the British brutally suppressed the Sepoy Rebellion that broke out in the subcontinent in 1857, capturing and exiling Bahadur Shah Zafar, who threatened their dominance in the region. Following the transition of the British from traders to rulers in India, an oppressive and divisive influence was exerted on the social, political and cultural life of the local population (Çakmakçı, 2024: 94).

The British thus took complete control of India, and the Turks no longer had any even symbolic sovereignty in India. A deathly silence fell over every corner of the subcontinent as a result of the killings and plundering that took place, and cries of anguish were heard everywhere. The British succeeded in pitting local governments and local powers in India against each other in wars and power struggles, while strategically inciting those fighting in these conflicts against each other to protect their own interests. During this period, the British policy of 'divide and rule' led to the weakening of local powers in India and the consolidation of British dominance. However, the state of Bhopal, by establishing friendly relations with the British over time and becoming a princely state of British India in 1818, remained largely aloof from the conflicts on the subcontinent.

Following the death of her mother, Sikandar Begum, in 1868, Shah Jahan Begum ascended to the throne of Bhopal. Given that Bhopal had reached a high level of advancement in military, administrative, and political aspects, Shah Jahan Begum directed her attention towards the promotion of cultural and artistic activities, as well as the patronage of poets, writers, and musicians. She also devoted her attention to the advancement of public health and education, while simultaneously directing resources towards infrastructure development. Her decision to replace Persian with Urdu as the official language of Bhopal was a transformative act that had lasting linguistic and cultural consequences. This strategic move not only made administration more accessible to the local population but also reinforced Urdu's position as a vehicle of Muslim identity in colonial India. She initiated the construction of significant structures, including the Taj-ul-Masajid Mosque, and accelerated the construction of railways, thereby connecting her state to India's national railway network. She constructed facilities for Indian pilgrims in Mecca and was awarded the Order of Compassion by Sultan Abdul Hamid II in recognition of her assistance during the Russo-Turkish War of 1877-78. In addition to these activities, Shah Jahan Begum also engaged in literary pursuits, writing poems under the pen name *Shirin* and publishing a divan in Urdu in 1872 (Çiftsüren, 2023: 85-86). She made arrangements for pilgrims in Mecca to reside permanently and declared Urdu to be the official language of Bhopal, replacing

Persian. Shah Jahan Begum also provided financial support to the educational efforts of Sir Syed Ahmed Khan, the founder of Aligarh and a significant contributor to the development of the Urdu language (Efrahim, 2016: 99). This period marked a significant cultural and infrastructural development in Bhopal, which serves to illustrate Shah Jahan Begum's dedication to the welfare and progress of her state.

Subsequent to the demise of Shah Jahan Begum on 16 June 1901, her daughter Sultan Jahan Begum assumed the throne of Bhopal. She made notable contributions to the emancipation of women in India, establishing an arts school for widows and orphaned women in 1905 and being elected president of the All-India Muslim Ladies Conference in 1914. She provided support for museum and archaeological projects. Her most significant legacy to date is the establishment of Aligarh Muslim University in 1920. She was the founding rector of Aligarh University and the first Indian woman to hold the title of rector of an Indian university. She authored numerous works on education and health ("Begums of Bhopal", t.y.). This period saw a significant advancement in women's rights and education in India, largely due to Sultan Jahan Begum's progressive initiatives and leadership.

The strengthening of political, economic, and cultural relations between the Ottoman Sultanate and the Bhopal Nawabate occurred under the reigns of four female rulers. The rulers in question were Qudsia Begum (reigning 1819-1837), Sikandar Begum (reigning 1844-1868), Shah Jahan Begum (reigning 1868-1901), and Sultan Jahan Begum (reigning 1901-1926). These rulers' administrations were notably distinguished by their profound interest and dedication to the Hejaz region under Ottoman governance. In this context, the Bhopal administration upheld the tradition of sending gifts to the Hejaz on an annual basis during the month of Ramadan (Üçüncü, 2019: 252-253). These gifts demonstrated not only the political and economic dimensions of the relationship between the two regions but also their religious and cultural aspects. This practice by the Bhopal rulers contributed to the Ottoman-Bhopal relations and was regarded as a sign of the long-standing friendship between the two states. The strong relations established with the Ottoman Sultanate laid the groundwork for deepening cultural and religious ties between the two states.

According to the records of the Egyptian scholar and historian Ahmed Teymur Pasha (1871-1930), during the reign of Sultan Mehmed Reshad, twenty-four of the forty-three sacred relics known as the "Sakal-i Sherif" (holy beard hairs of the Prophet Muhammad) housed in the Topkapı Palace were distributed to different regions of the Ottoman Empire. The same records indicate that during the visit of the Bhopal ruler Sultan Jahan Begum to Istanbul, one of these holy relics was presented to her by the Ottoman Sultan Mehmed Reshad (Bozkurt, 2009: 2). The mutual exchange of gifts between the two rulers is indicative of the level of diplomatic and mutual relations.

Conclusion

The state of Bhopal, which was established in 1709 and became part of the Indian state in 1949 after the partition of United India, was ruled by four women rulers. During this period, especially under the rule of the women rulers, significant progress was made in the social and administrative spheres. In the second half of the 18th century and the beginning of the 19th century, Bhopal stood out from other regions of India for the development of the Urdu language, the revival of Islamic culture, and the implementation of modernisation and reforms, and became a symbol of this progress. Nawab Sikander Begum's pilgrimage to the Hejaz for the Hajj in 1864, which she documented in her diary, became the first travelogue written by a woman in the Urdu language. Sikander Begum also changed the official language of Bhopal from Persian to Urdu. Nawab Shah Jahan Begum wrote poetry in Urdu under the pseudonym 'Shirin' and compiled a divan. Her granddaughter, Sultan Jahan Begum, is known for her work in education and health reform, literary works and efforts to preserve the language. She established and financially supported various institutions to strengthen the position of Muslim women in society. Under the leadership of Sultan Jahan Begum, the women of Bhopal played a significant role in the preservation, development and spread of the Urdu language. In addition to her contributions to Urdu literature, Nawab Sultan Jahan Begum wrote books on a wide range of subjects, including child development, recipes, education, politics and religion. Her support for the publication of important works of Islamic history, such as Shibli Nomani's Asr-i Saadet, also contributed to the development of Urdu language and literature. The legacy of Bhopal's women rulers demonstrates the profound impact women can have on cultural and social progress, setting an example for future generations.

REFERENCES

Begums of Bhopal: 107 Years of Golden Reign. (n.d.). *Indian Culture*. Official Website. Accessed: April 23, 2024. http://indianculture.gov.in/stories/begums-bhopal-107-years-golden-reign

Bhopal. (n.d.). *Indian Culture*. Official Website. Accessed: April 7, 2024. http://indianculture.gov.in/node/2945975

Bozkurt, N. (2009). Sakal-ı Şerif. *TDV İslam Ansiklopedisi*. Istanbul: Türkiye Diyanet Vakfı Publishing.

Bölükbaşı, Ö. F. (2019). Riyal. *TDV İslam Ansiklopedisi*. Accessed: April 21, 2024. https://islamansiklopedisi.org.tr/riyal

Brief History of the District Bhopal. (n.d.). *Government of Madhya Pradesh*. Official Website. Accessed: April 7, 2024. https://bhopal.nic.in/en/history/

Çakmakçı, M. K. (2024). Massacres During the Partition of India in the Stories *With Grateful Eyes* and *Peshawar Express*. *Journal of Migration and Settlement Studies*, 2(2), 93–105.

Çiftsüren, A. (2023). Istanbul Through the Eyes of Indian Women Travellers (Ottoman Period). Istanbul: Demavend Publishing.

Chishti, M. V. (1981). *Begumat-i Bhopal*. Karachi: Maktaba-i Qudsia.

Efrahim, S. (2016). Bhopal, the Cell or Mausoleum of the Murshid of the Nawabs of Bhopal and Sultan Jahan Begum. *Daryaft*, 16(16), 98–104.

Efshan, E. B. (2012). *Riyasat-i Bhopal aur Mashahir-i Urdu*. Bhopal: Khare Press Taliya.

Husain, Z. (2001). The Rise of Dost Muhammad Khan (1708–1728), the First Nawab of Bhopal. *Proceedings of the Indian History Congress*, 62, 309–316.

Khan, S. M. (2000). *The Begums of Bhopal: A Dynasty of Women Rulers in Raj India*. London: I.B. Tauris & Co Ltd. Accessed: [date not specified]. http://archive.org/details/begumsofbhopaldy0000khan

Konukçu, E. (2000). İskender Begüm. *TDV İslam Ansiklopedisi*. Istanbul: Türkiye Diyanet Vakfı Publishing.

Korucu Üçüncü, B. (2019). Sultan Abdulhamid II and the Nawabs of Bhopal. *İRTAD*, 2(3), 79–94.

Urdu Books of Saleem Hamid Rizvi. (n.d.). *Rekhta*. Accessed: July 20, 2024. https://www.rekhta.org/authors/saleem-hamid-rizvi/ebooks

Üçüncü, B. K. (2019). The Visit of Nawab Sultan Jahan Begum of Bhopal to Istanbul and Her Aid to the Ottoman Empire. *Journal of Universal History Studies*, 2(2), 251–268. doi:10.38000/juhis.631716

Ankara Üniversitesi
Dil ve Tarih-Coğrafya Fakültesi
Doğu Dilleri Dergisi / Journal of Oriental Languages

Cilt/Volume: X Sayı/Number: I Nisan/April: 2025

AĞA HAŞR KAŞMİRİ'NİN 'TÜRK GÜZELİ' DRAMASINDA KADINA BAKIŞ

Hakan KUYUMCU*

Öz

Ağa Haşr Kaşmir'i Urdu tiyatrosunun Shakespear'i olarak pek çok Urdu edebiyatı araştırmacısı tarafından kabul edilir. O on iki drama kaleme almıştır. Sinemanın popüler olmasıyla birlikte pek çok drama eseri beyaz perdeye aktarılmıştır. Bunlardan biri de 1922 yılında kaleme aldığı Turki Hur (Türk Güzeli) adlı eseridir. Bu drama 1928 yılında beyaz perdeye sessiz film olarak aktarılmıştır. Kaşmir'i gibi seçkin yazarlar olay örgüsüne komik alt olay örgüleri ve mutlu sonları getirmiştir. Ayrıca eserlerine bol miktarda Purabi (Avadhi) diliyle karışmış Urduca şarkı ilave etmiştir. Bu, esere melodram özelliği kazandırmıştır. Turki Hur eserinde de bol miktarda şiir ve şarkılara yer verilmiştir. Turki Hur üç perdeden oluşmaktadır. Eserde dört kadın karakter yer almaktadır. Ana karakter Reşide'dir. Reşide Arif'in karısıdır; Arif zengin, İstanbullu Ferid Beyin oğludur. Arif kötü arkadaş seçiminden dolayı içki ve kumara müptela olmuştur. Alkol evin bütün düzenini bozmuş, kısa sürede elde avuçta ne varsa kaybedilmesine neden olmuştur. Karısı Reşide bu kötü alışkanlığın yuvasını tarumar etmesine rağmen kocasının yanından ayrılmayan ve sabırlı ve dirençli bir kadını tasvir eder. İkinci kadın karakter ise Leyla'dır. İffetli bir kızdır. Çiçek satarak hayatını kazanır. Erkeklerin hile ve güzel sözlerine kanmayıp namusuyla geçimini kazanır. Reşide'nin yakın arkadaşı olur. Üçüncü kadın karakter ise Şemim'dir. Güzel olan Şemim dansözlük yaparak geçimini kazanır. Zengin erkekleri baştan çıkararak onların parasını yer. Dördüncü kadın karakter ise Nesim'dir. Dansöz Şemim'in annesidir. Kızına bildiği her şeyi öğretmiş, sonun da kızı tarafından terk edilmiştir. Türk Güzeli'nde yer alan bu dört karakter, bir kadının hayatı süresince karşılaşabileceği iyi ya da kötü olayları betimlemeye çalışmıştır. Ev kadını, iş kadını, hayat kadını olarak kadın farklı farklı anlatılmıştır. Bu dramada iyi, sadık ve iffetli kadının her zaman kazanacağı ve mutlu bir sonla teselli bulacağı gösterilmiştir.

Anahtar Kelimeler

Ağa Haşr Kaşmiri
Tiyatro
Turki Hur
Türk Güzeli
Kadın

Makale Hakkında

Gönderim Tarihi: 17.03.2025
Kabul Tarihi: 26.03.2025
E-Yayın Tarihi: 27.04.2025

*Doç. Dr., Selçuk Üniversitesi, Edebiyat Fakültesi, Urdu Dili ve Edebiyatı Bölümü, Konya, Türkiye, eposta: hkuyumcu@selcuk.edu.tr. ORCID: 0000-0003-3927-8782. DOI: 10.61134/audodilder.1659425.

A LOOK AT WOMEN CHARACTERS IN AGHA HASHAR KASHMIRI'S 'TÜRK GÜZELİ'

Abstract

Agha Hashr Kashmiri is considered by many Urdu literature researchers as the Shakespeare of Urdu theatre. He wrote twelve dramas. With the popularity of cinema, many dramas were adapted to the silver screen. One of these is Turki Hur (Türk Güzeli), written in 1922. This drama was adapted to the silver screen as a silent film in 1928. Distinguished writers like Kashmir brought comic subplots and happy endings to the plot. He also added a lot of Urdu songs mixed with Purabi (Avadhi) language to his works. This gave the work a melodramatic character. Turki Hur also includes a lot of poems and songs. Turki Hur consists of three acts. There are four female characters in the work. The main character is Reşide. Reşide is Arif's wife; Arif is the son of the rich Istanbulite Ferid Bey. Arif has become addicted to drinking and gambling due to his bad choice of friends. Alcohol has disrupted the entire order of the house and caused him to lose everything he had in a short time. His wife Reşide portrays a patient and resilient woman who does not leave her husband's side despite the fact that this bad habit has destroyed their home. The second female character is Leyla. She is a chaste girl. She earns her living by selling flowers. She does not fall for the tricks and beautiful words of men and earns her living with her honor. She becomes Reşide's close friend. The third female character is Şemim. Şemim, who is beautiful, earns her living by being a belly dancer. She seduces rich men and eats their money. The fourth female character is Nesim. She is the mother of belly dancer Şemim. She taught her daughter everything she knows and was eventually abandoned by her daughter. These four characters in Türk Güzeli tried to describe the good or bad events that a woman may encounter throughout her life. Women are described differently as housewives, business women, and prostitutes. In this drama, it is shown that a good, loyal, and chaste woman will always win and find solace in a happy ending.

Keywords

Agha Hashr Kashmere
Theatre
Turki Hur Türk Güzeli
Woman

Article Info

Received: 17.03.2025
Accepted: 26.03.2025
E-Published:27.04.2025

Giriş

Kadın yaratılış suretiyle eşref-i mahlûkattandır. Bu şerefli varlığın erkekten aşağı kalan bir yanı da yoktur. Ancak yaratılış özelliklerinden dolayı tarih boyunca toplumda farklı fonksiyonlarda yerini almıştır. Varoluşundan itibaren kadın; kız çocuk, eş ve anne fonksiyonuyla kademeli olarak öne çıkarken erkek karşısında bireysel ve toplumsal hak ve sorumluluklar açısından farklı uygulamalarla karşılaşmıştır. Anaerkil toplumlarda mesela Anadolu coğrafyasında Kadın baş tanrıça Kubaba, Kybele gibi kutsallaştırılmışken, ataerkil toplumlarda kadın erkeğin arkasında kalmıştır. Ancak gelişen toplumla birlikte kadınında yeri farklılıklar göstermeye başladı; eğitime ve iş hayatına katılımıyla üretici kimlik kazanması kadının toplumdaki statüsünü yukarı çekti. Kadının yükselen statüsü onun toplumdaki değerini de artırması beklenirken, bazen değersizleştirilen, dövülen,

tacize uğrayan ve tecavüz edilen nesne olarak sosyal ve hukuki bir ezilmişlik olarak karşımıza çıktı. Bu durum toplumu yatay olarak bölen sınıfsal ayrımı, diklemesine kesen kadının erkeğe bağımlılığının (Mill, 2019: 11) erkek tarafından mutlak kabullenişi denilebilir. Çünkü yaratılıştan fiziksel özellikleriyle daha zayıf olan kadın sanki erkeğin kanatları altıda var olacağı, yaşayabileceği düşüncesi ataerkil aile yapısında erkeğe küçüklükten öğretilmişti. Dolayısıyla "kadınlar, dünden bugüne tarihsel süreç içerisinde erkek egemenliğine maruz kalarak ataerkil ideolojinin çevrelediği sınırlıklar içerisinde yaşamış ve toplumsal olarak patriarkal sistem tarafından birçok tahakküme maruz kalmıştır" (Yıldırım, 2023: 293). Bu tahakküm sadece bizim toplumumuzda değil pek çok ülke toplumlarında da görülmektedir. Hindistan alt kıtası da bu topluluklardan biridir. Vedik dönemde kadının toplumdaki yeri eşit, saygın ve güçlüyken (Kumar Sah, 2023: 16) yüzyıllar içerisinde saygınlığı ve gücü elinden alınmış, erkeğinin kölesi haline getirilmiştir. Öyle ki Smitri döneminde çocuk yaşta evlendirme, Orta Çağ döneminde Sati adı verilen kendini yakma[1], VIII. yüzyılda Müslümanların gelişi ve sonraki Babürlüler dönemimde kadınlar siyasal, sosyal ve kültürel yaşam açısından çok gerilediler (Saxena ve Sharma, 2018: 374). Bu gerileme uzunca bir süre devam etti. Doğu Hindistan Şirketi'nin Hint Altkıtası'na girişiyle birlikte sömürgeci Batı mevcut devlet düzenini bozmak ve/veya ortadan kaldırmak için yerli tebaanın devletine karşı ayaklanmasına destek verdi. Yerli halk özgürleşeceğini sanırken kendini başka bir ulusun kontrolü ve yönetimi altında buldu. Ancak Batının açtığı bu özgürlük hareketi sonucunda gelişen sosyal ve siyasal hareketlenmeler yerli halkta ulus kavramını geliştirirken cinsiyet farklılığının önüne geçmek noktasında da kadına bu hareketler içerisinde yer verdi. İngiliz yönetiminin kurulmasıyla İngiliz misyonerlerin Hint alt kıtasında açtıkları okullar, yetimhaneler ve fakirhaneler kadınların bir nebzede olsa korunmasını sağladı. Kadınlar toplumda itilen, ötelenen bir parça olmak yerine toplumun ana unsurlarının bir parça oldu. 18. yüzyılın Avrupa liberalizmini teneffüs etmeye başlayan Hint seçkinleri toplumda reform hareketlerine[2] önem verirken yazarlar nesir ve nazım alanında kadının sosyal statüsünü işleyen pek çok eserler kaleme aldı. Bunlardan biri de drama yazarı Ağa Haşr Kaşmiri'dir.

---

[1] Orta Çağ Hindistan'ında ortaya çıkan sosyal gruplar geleneksel Hiyerarşinin içindeki yerlerini yeniden tanımlamaya çalıştılar. Yapılandırmaya çalıştıkları düzen içerisindeki hareketlere liderlik ettiler. Bu hareketlere örnek verecek olursak Bhakti Hareketi ve Lingayat Hareketi. İkinci hareket sati geleneği, kız çocuklarının öldürülmesine karşı çıkarken kadınların eşlerini seçmesine, boşanmasına ve dul kaldıklarında evlenebilmelerine destek verdi. Ayrıntılı bilgi için bk. (Shamsuddin, 2020: 45-63).

[2] Ayrıntılı bilgi için bkz. Mohammed Viquarruddin, Social and Political Movements in India Prenaissance in Process.

Urdu tiyatro yazarı Ağa Haşar Kaşmiri (1879-1935) XIX. yüzyılın son çeyreğinde doğmuş, ancak Pakistan devletinin kuruluşuna şahit olamamış Urdu drama yazarıdır. Evrimsel dönüm noktasına ulaştıkça sosyal, reform ve kültürel değerlerle güçlenen tiyatro eserleri yazdı. Dolayısıyla Kaşmiri 1910-1928 yılları arasındaki oyunları ahlaki reform konularını içerirken melodramatik türün ve mitolojik anlatıların yakınlaşmasını sağlamaya çalışır (Acharya, 2015: 1) Kaşmiri On iki drama kaleme almıştır. Bu eserlerden Turki Hur (Türk Güzeli) adlı eseri 1922 yılında Urdu dilinde basılmış, 1928 yılında da J. J. Madden adlı bir Parsi film yapımcısı tarafından sessiz film olarak beyaz perdeye aktarılmıştır. Bu eser 2016 tarihinde tarafımdan incelemesiyle birlikte Türkçeye aktarıldı. Yaptığım araştırmalar sonucunda eserin herhangi bir Türkçe eserden çevrilmediği anlaşılmaktadır. Peki, bu eserle ilgili olarak neden Ağa Haşr Kaşmiri Türk kadınını konu alan bir drama eseri kaleme almıştı? Ve ne kadar Türk kadınını tanıyordu? Sorularının cevabı hala muğlaklığını korumaktadır. Sadece şunu diyebiliriz ki, I. Dünya savaşına katılan Osmanlı devleti hilafetin temsilcisi olduğu için Hint alt kıtası Müslümanları tarafından büyük bir dikkatle takip edilmiş ve o dönem içerisinde Osmanlı topraklarına gelen pek çok araştırmacı tarafından incelemeler yapılarak Hint Müslümanlarına aktarılmıştır. Konumuzun başlığından uzaklaşmamak için bu kadar bilgi vermek kısmi de olsa umarım yeterli olacaktır.

Ağa Haşr Kaşmiri alkolizme karşı yoğun mücadelede bulunmuş ve bu amaç doğrultusunda oyunlarının konusu haline getirmiştir (Kurratul Ayn, 2022). Şimdi Ağa Haşr Kaşmiri'nin bu amaç kapsamında yazdığı Turki Hur hakkında bilgi verelim. Turki Hur üç perde yedi bölümden oluşmaktadır. Ayrıca şarkılar ve şiirlerle okuyucu ve /veya izleyicinin ilgisi artırılmaya çalışılmıştır. Eserde kullandığı dil üslubu da oldukça temiz ve sadedir. Eserde olay örgüsü ve karakterler hayalidir. İçki içmenin, kumar oynamanın ve hayat kadınlarıyla ilişki kurmanın kötü sonuçları tasvir edilmektedir. Ayrıca bu oyunda Hintli kadının ideal rolü anlatılmaktadır. Kocasının aşırı davranışlarına ve sıkıntılarına rağmen ona olan bağlılığından vazgeçmeyen, Hint kültürü ve ortamına bağlılığını kanıtlamaya devam eden bir kadın örneğidir (Kurratul Ayn, 2022). Zaman belirtilmemiş olup eserin yayınlanma tarihine bakarak sanki Servet-i Fünun (1896-1901) veya Fecr-i Ati dönemi (1909-1912) içerisinde geçtiğini tahmin ediyorum. Çünkü bunlardan sonra gelen Milli Edebiyat dönemi ile ilgili en ufak bir hissiyat verici olay, kişi veya tarihten bahsedilmemektedir. Eserde olayın geçtiği şehir İstanbul'dur, yazar eserinde bu şehirden Kostanniyah olarak bahsetmiştir (Kuyumcu, 2016: 27). Ayrıca bazı betimlemelerden İstanbul Boğazından bahsedildiği de anlaşılmaktadır (Kuyumcu, 2016: 69-70). Ancak yazar dramada geçen her herhangi bir mekânı sembolleştirmemektedir.

Kısaca Turki Hur'daki materyal unsurlardan bahsettikten sonra bu dramda yer alan kadın karakterlere bakalım. Ağa Haşr eserinde kadını tek bir şekilde göstermeyip onu bazen bir eş, bazen evlat, bazen çalışan kadın ve bazen de hayat kadını olarak temsil ederken kadını her renkte sundu. Onun namusunu, sadakatini, nezaketini, saflığını ve alçak gönüllüğünü vurguladı.

Kadının Türk Güzeli dramasındaki yerini tespit edersek;

Eş olarak kadın

Özverili eş, toplumun kadından beklentisini yansıtır; kadın geleneksel konumundadır ve konumunun gerektirdiği özellikleri taşır (Şener, 1990: 471). Turki Hur'daki baş kadın kahramanımız Reşide'dir. Reşide, eğitimli olmasına rağmen alkol ve kumar müptelası olmuş Arif'in sadık, saygılı ve cefakâr eşidir. Reşide aile içindeki yerini

"…Kibar eşler de kocalarının evindeki düzeni ve kocalarının canı, malını ve itibarını korurlar. Bu yüzden onlara evin Emniyet müdürü derler…" (Türk Güzeli: 32)

ifadesiyle net bir şekilde çizerken;

Sevgilim ben sevgiye susamışım. Ben senin kölenim
Oh aşkım göster bana sevgini, kolunu dola boynuma (Türk Güzeli: 32).

sözleriyle kocasına ne kadar âşık olduğunu da gösterir. Ancak kocası Arif yanlış arkadaşlarının kurbanı olarak alkole alışır. Bu durum, huzur ve mutluluk ambarına kıvılcımlar bırakır ki bu kıvılcımlar ilerde köz olacak, alev olacak, ateşe dönecek ve o huzur ve mutluluk ambarını küle çevirecekti. Alkol müptelalığıyla birlikte peşi sıra devam eden gece eğlenceleri artık Reşide için ümitsiz bir bekleyişe dönüşür.

Bakın ne zaman dönüp bakacak o eve
Her sese dikkat kesilir kulağı, bakışlarsa kapıda (Türk Güzeli: 42).

Gözler kapıda bu bekleyişler sadık bir köpeğin sahibini beklediği gibi Reşide'nin de kocasını bekleyişine döner. Artık Reşide iyice huzursuzdu. Bu bekleyişin ardından hangi kötülüklerin geleceğini düşünmekteydi.

Kayıkçım yoktu, kayığım girdaba kapıldı
Allah'ım nasıl kayığım kenara ulaşacak (Türk Güzeli: 45).

Artık kendini iyice sahipsiz hissetmekteydi Reşide. Kocasına sahip çıkmak, onu bu alışkanlığından vaz geçirmek için çırpınsa da kocası "Ne ben suçluyum ne de sen

hâkim ne de ev mahkeme salonu" (Kuyumcu:2016: 45) diyerek karısının sorularını savuştururken, Reşide eşine duyduğu sevgi ve evlilik bağının kendisine verdiği hakla sorularından ve onu kötü alışkanlığından uzak tutma gayretinden vaz geçmedi. Oysaki Alkol Reşide'nin evinde ne huzur ne de zenginlik bırakmıştı. Reşide "Sadık bir eş huzurun bozulmasıyla kocasını sevmekten ve hizmet etmekten vazgeçmez" (Kuyumcu, 2016: 65) diyerek sadakatinden ödün vermez. Ancak zamanla ümitlerini kaybetmeye başlayan Reşide:

Takdir yılan misali başını kaldırmış sokmak için
Işıklar pırpır etmekte üşütmek için
Başında parlamakta felaket şimşekleri
Bulutlar semayı kapadı yağmurlarını bırakmak için

Bu yağmur bereketten ziyade sel, boran getirmek üzereydi. Reşide babasına ve abisine dahi artık kocası için direnmek zorundaydı.

Evlat olarak kadın

Reşide kocasına duyduğu sadakati kendi ailesine göstermez. Babası Ferid Beyin evliliği bitirmesi gerektiği noktasındaki ısrarına kulaklarını kapatmışken, babasına karşı sevgisizlik ve saygısızlıkta bulunmamaktadır. Ancak Kocasına sadakat ailesine duyduğu bütün hislerin üstündedir. Babası Ferid Bey Arif'e "Arif içki içe içe öldü ve onun talihsiz eşi genç yaşta dul kaldı" (Türk Güzeli: 63) derken Reşide araya girerek "Baba. Baba. Kime kızıyorsun… O kendinde değil ki…" diyerek eşini korumaya çalışır. Oysa babasının onu artık Arif'in yanında değil yaşamaya görmeye bile tahammülü yoktur. Raşide'ye sahip çıkarak onu Arif'e geri göndermek istemez. Reşide evliliğin bir ticari anlaşa olmadığını kar ederken yanında durulup, zarar ederken terk edilecek bir meta olmadığını söyler. Kızın anne ve babasını "Kızın feda günü" dediği düğün gününün böyle bir şey olduğunu babasına söyler (Kuyumcu, 2016: 64-65)

Nefes aldıkça nefesimi yalnızca onun nefesiyle dolduracağım
Elim kesilmedikçe onun ayaklarını bırakmayacağım
Onun gölgesinde çiçekler açtım
Dünyam, cennetim onun ayaklarının altındadır (Türk Güzeli: 65).

Çalışan kadın olarak

Çalışan kadın olarak bu eserde iki kadın tiplemesi karşımıza çıkar; namusuyla çalışan ve hayat kadını olarak çalışan. Biz bu iki tipi iki alt başlık altında değerlendirdik.

a. Ahlaki unsurları dikkate alarak çalışan kadın
b. Gayri ahlaki çalışan kadın

a. Ahlaki unsurlara dikkat ederek çalışan kadın

Helal yolla para kazanan kadın tiplemesinde Leyla öne çıkar. Leyla annesinin ölümünden sonra sokaklarda şarkı söyleyip çiçek satarak evine ekmek getirmekte olan güzel, genç bir bayandır.

Çiçeklerim rengârenk, gel, keyfi çıkar baharın
Kopartılmış şu çiçekleri satmaya getirdim
Ah benim nazik beylerim, lütfen alın yasemin kolyelerimi
Bakın yasemin kolyelerime
İpe dizdim incileri
Kokladığınızda yorgunluğunuz gidecek
Süslenmiş huzur satıyorum
Çiçeklerim var! (Türk Güzeli: 71)

Evet, "çiçeklerim var!" diye sokak sokak dolaşıp ekmek parasını kazanmaya çalışan bu kıza sarkıntılık yapan, ondan faydalanmaya çalışan birçok erkek karşısına çıkmıştı. Kimi bakışlarıyla onu taciz etmiş kimi de tacizde bulunmaya çalışmıştı. Ama bu çiçekçi kızın duasında:

Ey Allah'ım senden âcizane şudur tek dileğim
Nerede iyilik yolu varsa, oraya götür beni (Türk Güzeli: 71).

vardı.

Leyla para kazanmak için cilveli hallere bürünmez söylediği şarkılarla dikkat çekerek çiçeklerini satmaya çalışırdı. Onun bu durumundan etkilenen Enver ondan bir demet gül alır ve ederinin üstünde bir para verir. Leyla bu parayı kabul etmez bu paranın onu tamaha götüreceğini tamahın da günah olduğunu söyler ve bozuk parası olmayan Enver'e bu çiçeği hediye eder (Türk Güzeli: 72). İşte bu nasıl bir yüce duygu ki yoksul ve geçimini sadece çiçek satarak kazanan bir kadın bu asil davranışı sergilemektedir. Leyla ile ilgili çarpıcı bir örnek daha verecek olursak: Leyla bir gün bilmeden Şemim'in de çalıştığı yere girer. Karşılaştığı kötü ortamın hemen

farkına varır, ama aç gözler çoktan onu fark etmiştir. Sarkıntılıklar başlar, laf atmalar birbirini kovalar artık bu laflardan ve hareketlerden bunalan Leyla:

Fakirlere kısmet olan mutluluk, size kısmet olmadı
Siz zenginlerin alın yazısı fakirlerden daha kötüdür
Sizin eviniz vardır, gerçek huzurdan yoksun
Cepleriniz doludur, kalbiniz imandan yoksun (Türk Güzeli: 83).

diye cevap verirken iffetine zarar gelmeden eserde yer alan Enver ve arkadaşlarının yardımıyla kurtulur. Enver Leyla'nın yoksul olsa da iffeti için maruz kaldığı hareketler karşısındaki tavrını gördüğünde Leyla'ya âşık olur ve onu sokak çiçekçiliğinden evinin hanımı yapar.

b. Gayri ahlaki çalışan kadın olarak

Yalnız Urdu Tiyatrosunun değil dünya tiyatrosunun vazgeçemediği kadın tiplerinden biri de "Fettan Kadın" tipidir. Turki Hur'da bu tipi Şemim canlandırmaktadır. Dansöz olan Şemim hovarda ve zengin erkeklerin gözdesiydi. Dans ederken söylediği şarkılarla erkekleri etkilerdi.

Ey sevgilim, genç kızın göğsünde narlar irileşti
Eyvah, masum kızın elbisesi yırtıldı, nasıl saklasın iriliği
Yanımda olduğundan beri meme uçlarım canlandı
Yüzmek için yer hazır, haydi dal bir kere
Ey âşıklarım, gençlik dört günlüktür, haydi yaşayalım
Ey sevgilim… (Türk Güzeli: 73-74).

Hangi çapkın erkek bu cilveli çağrışa cevap vermezdi ki… Şemim dansını cilveli bir şekle bürüyerek erkekleri ağına düşürür ve onları son kuruşuna kadar soyardı. Vefa ve yalan Şemim'in karakterinin bir parçasıydı "…Eğer bizde gerçek sevgi ve vefa olsaydı sokak kadını ile saygın ev hanımı arasında ne fark olurdu. Biz pazarda oturup sattığımız yalancı bir kalbe, sahte bir gülücüğe ve sevgiye sahibiz…" (Türk Güzeli: 104) diyerek karakterini açıkça ortaya koymaktadır. Turki Hur'da geçen en son kadın tiplemesi Nesim'dir. Nesim tipi sadece II. Perdenin IV. sahnesinde yer alır ve bir daha adı geçmez. Nesim Şemim'in annesidir ve Şemim'in bütün bildiklerini ona o öğretmiştir. Sonun da yetiştirdiği kızı ona da vefasızlık yapar ve kendisine karışmamak üzere hayatından çıkarır. Kısaca; kötülük öğreten kötülükle karşılaşır.

Sonuç

Alkolizm ve fuhuş gibi 'kötülüklerin' anlık geçici zevkine umutsuzca bağımlı, ahlaki açıdan kusurlu, tamamen burjuva bir kahramanın, ailesini perişan bir hale sokarken eşinin büyük bir sadakatle yokluğa, sefalete karşı direnmesi gerektiği anlatılır. Türk Güzeli dramasının 'kadın' karakteri bir ulusun bedenini ve ruhunu esasen sembolize etmektedir. Bundan dolayı iffetli ve sadık kadın öz disiplin ve özdenetime dayalı ahlaki bir rejimin temsilcisi olarak görülebilir. Oluşturulacak olan Hindistan toplumunda Türk Güzeli'ndeki iffetli ve sadık kadının fikirleri ve duygu yüklü anlatılarıyla ulusal düzeyde bir ivme yaratması da istenilmiş olabilir.

KAYNAKÇA

Acharya, S. (2015). *Melodrama, Mythology and Moral Reform: Parsi Drama and Agha hashra Kashmiri (1879-1935)*, Berkeley: University of California

Kumar Shah, A. (2023). Position of Women in the Rig Vedic Period, *Anthro-Indialogs*, 3(1), 15-20

Kurratul, A. (2022). *Ağa Haşr Kaşmiri ke Dramon men Hindustani Tehzib ki Akkasi*, 16/04/2024 tarihinde https://adbimiras.com/agha-hashar-kashmiri-ke-dramon-mein-hindustani-tahzeeb-ki-akkasi-by-dr-qurratul-ain/. Adresinden alındı

Kuyumcu, H. (2016). Türk Güzeli, Konya. Aybil Yayınları

Mill, J. S. (2020). Kadınların Köleleştirilmesi, çev. Ahmet Özcan, İstanbul: Bilge Kültür Sanat Yayınları

Saxena, G. K., Sharma P. K. (2018). *Position Of Women In Vedic, Post-Vedic, British, And Contemporary India*, 14/04/2024 tarihinde *https://www.studocu.com/in/document/university-of-delhi/women-in-indian-history/govind-saxena-other-position-of-women-in-vedic-post-vedic-british-and-contemporary-india/40177033.* pdf adresinden alındı

Shamsuddin, M. (2020). A Brief Historical Backround of Sati Tradition in India, *Din ve Felsefe Araştırmaları*, C. 3, S. 5, 45-63

Şener, S. (1990). Tiyatro Eserlerimizde Kadın İmajı, *Ankara Üniversitesi Dil ve Tarih-Coğrafya Fakültesi Dergisi - DTCF Dergisi*, 33(1-2), 468-475

Viquarruddin, M. (2015). Social and Political Movements in India Renaissance in Process, *The Indian Journal of Political Science*, 74(4), 894-900

Yıldırım, A. (2023). Strindberg'in Güçlü Oyunundaki Kadın Karakterin Sessizliğini Söyleme Çevirmek, *ASOS JOURNAL Uluslararası Sosyal Bilimler Dergisi*, S. 142, 293-305

Ankara Üniversitesi
Dil ve Tarih-Coğrafya Fakültesi
Doğu Dilleri Dergisi / Journal of Oriental Languages

Cilt/Volume: X Sayı/Number: I Nisan/April: 2025

MUHAMMEDİ BEGÜM EDİTÖRLÜĞÜNDE BİR RİSALE: TEHZİB-İ NİSVAN

Elif ÖCALMIŞ*

Öz

Hint Alt Kıtasında erkek egemen toplumun var olması sebebiyle kadınlar baskı ve sosyal eşitsizlikle mücadele etmek zorunda kalmıştır. Sosyal eşitsizlik ve kadın hakları ile ilgili düşüncelerin dışa vurumu bağımsızlık sonrası dönemde ortaya çıkan eserlere yansımıştır. Urdu edebiyatı, 19. yüzyılda Hindu ve Müslümanların kendi dinlerini, inançlarını, ananelerini, eşitsizliğe tepkilerini özgün bir şekilde dile getirip eserlerinde konu edinmeye başlayınca farklı bir boyut kazanmıştır. Nezir Ahmed, Raşid-ul Hayri ve Prem Çand gibi dönemlerinin önemli erkek yazarları öykülerinde kadınların toplumdaki yerine değinmiş ve onların yaşadıkları zorluklara dikkat çekmeye çalışmış ve kadınları cesaretlendirmek için çaba göstermişlerdir. Kadınların duygularını yazılı olarak ifade etmeleri de bu döneme denk gelir. Dönemin en etkili ve hızlı ulaşılabilir yazılı kaynakları ise risaleler olmuştur. Bir kadının dünyasında var olan tüm konuları kapsayan ve bu özelliği ile öncü çalışmalardan biri olarak kabul gören Tehzib-i Nisvan, 1898-1949 yılları arasında haftalık yayınlanan bir risaledir. Seyid Mümtaz Ali'nin öncülüğünde yayınlanan Tehzib-i Nisvan için Mümtaz Ali'nin eşi Muhammedi Begüm editörlük yapmıştır. İlk kadın romancı olarak bilinen Muhammedi Begüm, bu görev ile ilk kadın editör olarak da anılmaktadır. Bu risaleler, ele aldığı konular bakımından yayınlandığı dönem hakkında okuyuculara fikir vermektedir. Çalışmamızda, ilk kadın editör Muhammedi Begüm'ün editörlüğünde kadınların hayatın her alanda kendini geliştirmesine yönelik hazırlanan Tehzib-i Nisvan, nitel veri yöntemlerinden doküman analizi metodu yöntemiyle genel bir çerçevede değerlendirilmiş ve Muhammedi Begüm'ün editörlüğünü yaptığı 1905 yılı Ocak ayının 3. sayısı şekil ve içerik bağlamında incelenmiştir. İncelenen örnek sayının, risalenin yayınlanış amaçlarına uygun bir şekilde hazırlanmış olduğu tespit edilmiştir.

Anahtar Kelimeler

Kadın
Süreli Yayınlar
Muhammedi Begü
Tehzib-i Nisvan

Makale Hakkında

Gönderim Tarihi: 17.03.2025
Kabul Tarihi: 26.03.2025
E-Yayın Tarihi: 27.04.2025

*Öğr. Gör., Ankara Üniversitesi, Dil ve Tarih Coğrafya Fakültesi, Doğu Dilleri ve Edebiyatları Bölümü, Urdu Dili ve Edebiyatı Ana Bilim Dalı, eocalmis@ankara.edu.tr, Orcid:0000-0002-23211025, Ankara, Türkiye. DOI: 10.61134/audodilder.1659910.

A NEWSPAPER EDITED BY MUHAMMEDI BEGUM: TEHZIB-I NISVAN

Abstract

The Indian Subcontinent's male-dominated society has subjected women to oppression and social inequality, forcing them to endure ongoing struggles. The expression of ideas about social inequality and women's rights was reflected in the works that emerged in the post-independence period. In the 19th century, Urdu literature underwent a significant transformation as Hindus and Muslims began to express their own religious beliefs, traditions, and reactions to inequality in original ways, using these themes as subjects in their work. During this period, important male writers like Nezir Ahmed, Rashid-ul Hayri, and Prem Chand explored the role of women in society in their stories. They aimed to highlight the challenges women faced and encouraged support for women's empowerment. Meantime, women began expressing their feelings through writing, with the weekly newspaper as the most effective and easily accessible written source of the period. Tehzib-i Nisvan, a weekly newspaper published between 1898 and 1949, covers all the issues in a woman's world and is considered one of the pioneering works in this field. Mümtaz Ali's wife, Muhammedi Begüm, was the editor of Tehzib-i Nisvan, which was published under the leadership of Seyid Mümtaz Ali. Muhammedi Begüm, known as the first female novelist, is also recognized as the first female editor in this role. The weekly newspapers provide insights into the period in which they were published and the topics they address. In our analysis, we conducted a general evaluation of Tehzib-i Nisvan which was prepared for the self-improvement of all women in all areas of life under the editorship of Muhammedi Begüm, the first female editor was evaluated in a framework using the document analysis methods and specifically examined the 3rd issue from January 1905, which was edited by Muhammedi Begüm, focusing on both its form and content. It has been determined that the sample ıssue examined was prepared for the purpose of the establishment.

Keywords

Women
Periodicals
Muhammedi Begüm
Tehzib-i Nisvan

Article Info

Received: 17.03.2025
Accepted: 26.03.2025
E-Published: 27.04.2025

Giriş

Kadının hepimizin dünyasında kutsal bir yere sahip olması, yaradılış olarak dünyaya bir canlı getirme mucizesinin yalnızca ona bahşedilmiş olmasından kaynaklanmaktadır. Fakat dünyanın her yerinde kadın toplumdaki yerinin ve öneminin anlaşılması için üstün bir çaba harcamak zorunda bırakılmıştır. Kadının toplumsal konumu, tarih boyunca pek çok kültürde doğurganlık gibi biyolojik özelliklerle ilişkilendirilmiş; bu nedenle kadına sembolik düzeyde "kutsal" roller atfedilmiştir. Ancak kadınlar, bu sembolik değer yüklemesine rağmen dünyanın birçok yerinde olduğu gibi Hint alt kıtasında da toplumsal görünürlük kazanmak ve

hak ettikleri statüyü elde etmek için yoğun bir mücadele yürütmek zorunda kalmışlardır. Erkek egemen Hint toplumunda kadınlar çoğu zaman doğurganlık ve cinsellik ekseninde tanımlanmış; erkeğin otorite kurabileceği birer nesne olarak algılanmışlardır. Bu algı, kadınların toplumsal rollerini ev içiyle sınırlı kılan bir bakış açısına dönüşmüştür. Ancak bu hegemonik anlayışa karşı, yalnızca kadın yazarlar değil, bazı erkek yazarlar da edebi üretimleri aracılığıyla eleştirel bir duruş sergilemiştir (Belen Özcan, 2012a: 145; Yoğurt, 2021a: 222). Urdu edebiyatı, 19. yüzyılda Hindu ve Müslümanların kendi dinlerini, inançlarını, ananelerini, eşitsizliğe tepkilerini özgün bir şekilde dile getirip eserlerinde konu edinmeye başlayınca farklı bir boyut kazanmıştır. Sosyal eşitsizlik ve kadın hakları ile ilgili konular bağımsızlık sonrası dönemde ortaya çıkan eserlere yansımıştır.

Nezir Ahmed, Raşid-ul Hayri ve Prem Çand gibi dönemlerinin önemli erkek yazarları öykülerinde kadınların toplumdaki yerine değinmiş, onların yaşadıkları zorluklara dikkat çekmeye çalışmış ve kadınları cesaretlendirmek için çaba göstermişlerdir. Kadınların edebiyat alanında sesini duyurması 19. yüzyılın sonları 20. yüzyılın başı olarak kabul edilmektedir (Belen Özcan, 2002b: 57; Yoğurt, 2021b: 116). Bu zamana kadar elbette ki kadınlar yaşadıkları dönemi, hislerini, arzularını ve hayallerini kaleme almıştır ancak kadınların bir birey olarak hak ettikleri yerde olamayışları ve kimi zaman yok sayılışları yazılanları paylaşmayı mümkün kılmamıştır. Kadının toplumda var oluşunu hissettirmeye başladığı, aktif üretmeye ve ürettiklerini paylaşma cesaretini gösterdiği dönemlerde kadınlar, sorunlarını kendi bakış açılarıyla doğrudan dile getirmişlerdir. Mahlas ya da erkek isimlerinin kullanılması kadın yazarların hissettiklerini ifade etmelerini kolaylaştırmıştır. Kadın yazarlar ilk başlarda erkek adı ya da mahlaslarıyla edebiyat hayatına girmiş olsalar da daha sonra kendi isimlerini kullanmışlardır (Durgun, 2014: 148). Kaleme alınan eserler, yalnızca kadınların maruz kaldıkları sorunları dile getirme ve sosyal yaşam değil mücadele ve ıslah odaklı konuları içermektedir. Kadın yazarlar, kadınların eğitime erişiminin kısıtlı olduğu ve seslerinin toplumda duyulmadığı dönemlerde, hemcinslerinin bastırılmış duygularını ve düşüncelerini yazın aracılığıyla ifade ederek onlara tercüman olmuşlardır. (Şahbaz, 2017: 8). Özellikle süreli yayınlar, duyguları hızlı bir şekilde aktarmada önemli bir platform haline gelmiştir. Kadınların edebiyat dünyasına adım atmalarında erkek nesir yazarların etkisi kadar kadın dergileri de pay sahibidir (Özenç, 2007: 214).

Gazete, dergi, risale gibi süreli yayınlar, tarihte yaşanan toplumsal olayları konu etmesi bakımından gelecek dönemlere değişim ve gelişime rehberlik etmede önemli bir yere sahiptir. Ayrıca süreli yayınlar, kolay erişilebilir ve güncel olmaları

sayesinde, toplumun farklı düşünsel eğilimler geliştirmesine katkı sunmuş; okurların çeşitli yaklaşımlar edinmesini sağlamıştır. Dergilerin her biri, yayın süresinin uzunluğu ve sürekliliği, yazar kadrosunun çeşitliliği ve gücüne bağlı olarak değişik düzeylerde devirlerinin sosyal ve kültürel hayatına etki ederler. Aynı zamanda her bir dergi önemli isimler yanı sıra yeni isimlerin de kültürel hayata katılmasına katkı sağlar (Şenderin, 2016: 81). Sadece Müslümanlara değil, tüm Hint halkına hitap eden Urduca dergi ve gazeteler, halkı tüm yeni bilimlerden haberdar etmeyi amaç edinip Urdu edebiyatını çağın istekleriyle tanıştırmış ve makale yazarlığının ilerlemesini sağlamıştır (Bilik, 1999: 380). Modernizm ve gelenek arasında uzlaşmacı bir rol oynayarak Müslümanları bir arada tutma ve onları bilinçlendirmeyi amaç edinen Sir Seyyid Ahmed Han, yeni nesilde bilimsel zihni teşvik etme ve sosyal farkındalık yaratma amacıyla uzun istişareler sonucunda 24 Aralık 1870'te *Tehzib-ul Ahlak* adlı dergiyi çıkarmıştır (Azemuddin, 2015: 57). Seyid Mümtaz Ali, Sir Seyyid Ahmed Han'ın farkındalık yaratma ve bilinçlendirme odaklı risale fikrini özellikle kadınlara yönelik modelini tasarlamış ve her zaman kadınların eğitiminin gerekliliğini savunmuştur. Sir Seyyid'in eğitime teşvik hareketinin erkekleri hedef kitlesi olarak seçtiği âşikardır (Belen Özcan, 2012a: 145). Seyid Mümtaz Ali de eğitim fikriyle yola çıkmış ancak doğrudan kadınlara yönelik bir risale hazırlamak istemiştir. Bu fikrin oluşmasında, kendi aile yaşamını göz önünde bulundurmasının etkisi oldukça büyük olmuştur (Islam, 2018: 2). Onun kendi yaşamındaki tecrübelerinden hareketle, kadının eğitilmesinin önemini fark etmiş ve yeni nesillerin önce anneleri tarafından eğitilebilmesi için, annelere kolayca ulaşabilecek bir yayın hazırlamıştır.

Yaqub'a göre, Seyid Mümtaz Ali'nin, *Tehzib-i Nisvan*'ı yayınlamasındaki amaçlardan bazıları; kadının kendi haklarını bilmesi ve haklarını koruyacak duruma gelmesi, ev yönetimi, çocuk yetiştirme eğitimi, ıslah, saygı kuralları, öz bakım gibi konularda kadınların bilinçlendirilmesi ve ev ortamında kişiliklerini geliştirmeye yarayacak meşguliyetlere yönlendirmek olmuştur (Yaqub, 2024: 61). Seyid Mümtaz Ali, eğitimin evlerde başlaması gerektiği fikrinden esinlenerek, risalenin konusu ve isim önerileri ile ilgili Sir Seyyid Ahmed Han'a fikir danışmış ve Sir Seyyid Ahmed Han risaleye *Tehzib-i Nisvan* adını önermiştir (Hussain, 2022: 89). *Tehzib*'in kelime anlamı ıslahtır (Rangeen Feruz Ul Urdu Jadeed, 2007:247). *Nisvan* ise kadın topluluğu, kadın(lar) anlamına gelmektedir (Rangeen Feruz Ul Urdu Jadeed, 2007:732). Kuruluş fikrinden itibaren risalenin birçok kadının hayatına dokunacağı ve gelişim odaklı olduğu adından da anlaşılmaktadır. Seyid Mümtaz Ali'nin doğrudan kadınlara ve onların sesi olmaya yönelik bir risale çıkarma fikrine en çok eşi Muhammedi Begüm destek olmuştur. Seyid Mümtaz Ali, kadınların deneyimlerinin benzerliği, kimi zaman

kadın yazarların hemcinslerine daha derinlikli bir bakış sunmalarına olanak tanıdığından editörlük görevini eşi Muhammedi Begüm'e görev vermiştir. Kadınlara yönelik hazırlanması yönünden özel bir yere sahip olan bu risalenin editörünün bir kadın olması da risalenin önemini artırmıştır (Yaqub, 2024: 16). Risalenin ilk editörü aynı zamanda Urdu diliyle ilk roman yazan kadınlardan olan Muhammedi Begüm'dür (Çifsüren, 2019: 356). Muhammedi Begüm bu görevle, Urdu dilinde bir derginin editörlüğünü yapan ilk kadın olarak bilinmektedir. Begum, bu görevi layıkıyla yerine getirmek için yoğun çaba harcamış ve bu yolda hiçbir fedakarlıktan kaçınmamıştır. Öyle ki yetiştiği dönemde kız çocuklarının eğitimine pek önem verilmemesine rağmen Muhammedi Begüm okuryazarlık ve dikiş nakış, yemek pişirme gibi gündelik yaşamı sürdürebilme becerilerine yönelik temel alanlarda kendini geliştirmiş ve bu meziyetleri çevresindeki kadın ve kız çocuklarını eğitmek için mücadele etmiştir. Muhammedi Begüm evlendiğinde 19 yaşında, Seyid Mümtaz Ali ise 37 yaşındadır. Mümtaz Ali, eşinin eğitimi ile ilgili eşine her türlü desteği vermiş ve onu yönlendirmiştir (Minault, 1990: s. 149-150). Seyid Mümtaz Ali, çocukların ilk eğitimini annelerinden aldığını ve bu nedenle kadınların —özellikle geleceğin anneleri olan kız çocuklarının— iyi bir eğitim almasının zorunlu olduğunu savunmuş; ancak bu yolla gelecek nesillerin refaha ulaşabileceğini belirtmiştir. 30 yaşında hayatını kaybeden Muhammedi Begüm, kısa yaşamına rağmen eğitime odaklı düşünsel yaklaşımı, katkı sunduğu toplumsal projeler ve güçlü kalemiyle günümüzde hâlâ anılmaktadır. Şefkati ve mütevazılığı, özellikle kız çocuklarına yönelik kaleme aldığı eserlerine de yansımıştır. Eserlerinde genellikle sosyal meseleler, ev hayatı, çocukluk dönemine dair hayal kırıklıkları, evlilik kurumu ve Batı medeniyetinin toplumsal etkileri öne çıkar. (Bashir-Khanum, 2016: 56). Muhammedi Begüm, ayrıca Urdu edebiyatının ünlü roman yazarlarından İmtiyaz Ali Taj'ın annesidir. Kadınları çocuk eğitimi ile ilgili konularda bilinçlendirmek için çabalayan Begüm, bu gayretini kendi evinde başarabilmiş ve oğlunu yazmaya yönlendirmiştir. Risalenin çıkarılmasındaki en dikkat çeken amaçlardan biri kadınların eğitimine ve gelişimine destek olmak ve kadınların medeni bir yaşam sürmeleri için kendi potansiyellerinin farkına varmalarını sağlamak konusunda onları bilinçlendirmektir. Muhammedi Begüm, kendisi de bir kadın olarak kadınların ihtiyaçlarını daha iyi gözlemleyip zaman içerisinde risalenin içeriğini zenginleştirmiş ve kadınlar için pratik bilgilerin yer aldığı bölümlere de yer vermiştir. Risalede ayrıca annelere kılavuzluk edebilmesi için çocuk gelişimi ile ilgili bir köşe de bulunmaktadır. Muhammedi Begüm'ün editörlüğünde hazırlanan haftalık risalede yer alan yazarlar ve makaleler konuları bakımından kadınların farkındalığını artırmayı amaçlamıştır. Toplumda kadının yerinin öneminin vurgulanması dışında risalede yer alan makalelerde, kadınların ve özellikle kız

çocuklarının neyi nasıl öğrenmesi gerektiğini de anlatılmakta ve onlara yol gösterilmektedir. Eğitim, özerklik, oy hakkı, eş seçimindeki özgürlük, boşanma, mal paylaşımı, siyasi konularda farkındalık, ekonomik özgürlük vb. radikal konuların yer aldığı risalelerin kapağında yer alan ifadeler içeriği anlatan çarpıcı başlıklardan oluşmaktadır (Ishfaq-Yaqub, 2022: 16).

Bu başlıklar, konuları bakımından kadınlar arasında oldukça merak uyandırmış ve beğeni toplamıştır. Kadın haklarından eğitime, şiirden dikiş-nakışa, pratik bilgilerden çocuk yetiştirme ile ilgili geniş içerik başlıklarına yer verilen bu risale, ilk editörü Muhammedi Begüm'den daha uzun bir ömre sahiptir. Risaleye daha sonra Muhammedi Begüm'ün kızı Vahida Begüm, Seyid Mümtaz Ali, Abbasi Begüm, Asıf Cihan Begüm, Mümtaz Gauhar ve İmtiyaz Tac Ali gibi isimler editörlük yapmıştır (Rekhta, 2024). Seyida Vahida ve Seyid İmtiyaz Ali Tac'ın editörlüğünü yaptığı bu risalenin son sayısı 1949 yılında yayınlanmıştır (Çifsüren, 2019: s.356). Yazılarıyla risaleye destek olan Atiya Begüm Feyzi, Nazar Saccad Haydar Yıldırım, Hicaz İmtiyaz Ali Tac gibi Urdu edebiyatının önemli isimlerinin bu risalenin başarısında payı büyüktür. Feminizm, edebiyat ve eğitim konularında toplumsal bilincin artması gibi amaçlara ek olarak; *Tehzib-i Nisvan*, kadın yazarların Urdu edebiyatı alanında kendini geliştirebildiği ve adını duyurabildiği bir platform haline gelmiştir. İlk sayılarda 10 sayfa olan dergi ilerleyen bölümlerde 60 sayfaya kadar çıkmıştır. Risale sayesinde birçok kadın yazar, yazınsal alanda görünürlük kazanmış ve diğer kadınları yazmaya teşvik etmiştir. İlk sayıdan itibaren birçok kadın risale için çeyizden batıl inançlara, israftan ıslaha kadar çeşitli konuları kaleme almıştır (Salahuddin, 2005: 58). Seyid Mümtaz Ali'nin kadınlara yönelik başlattığı farkındalık yaratma ve kadınların gelişimlerini amaçlayan bu risale, 1 Temmuz 1898'de Lahor'da yayına başlamış ve özellikle kadın yazarların desteği ile evlilik hayatı, görgü kuralları, kadın hakları gibi geniş kapsamlı konuları ele almış ve elli bir yıl kadar yayın hayatını sürdürmüştür. Yayın hayatı boyunca; Muhammedi Begüm, Ahmed Begüm, İdris Begüm, Ümmü Gülsüm, Asıf Cihan Begüm, Begüm Eşfak Hüseyin, Cemile Haşmi, Cemile Begüm, Raşid Cihan, Zafar Cihan Begüm, Vahida Begüm, Vahida Yaqub, Fatima Suğra Begüm, Begüm Yar Muhammed Han, Belkıs Banu, Hamida Hayri, Rızviya Hatun, Sıddıka Hatun gibi isimler yazılarıyla risaleye katkıda bulunmuşlardır (Yaqub, 2024: 63-117).

Çalışmanın bu bölümünde genel hatlarıyla değerlendirilen *Tehzib-i Nisvan* adlı risalenin Muhammedi Begüm editörlüğünde çıkan 1905 yılı Ocak ayının 3. sayısı şekil özellikleri ve içerik bakımından ele alınmıştır.

Tehzib-i Nisvan'ın Şekil Özellikleri ve İçeriği

Risalenin Muhammedi Begüm editörlüğündeki 1905 yılı 8. Cilt, Ocak ayının 3. sayısı incelenmiştir.[1] Risalenin kapağında resim bulunmamaktadır. Başlık klişesinde kaligrafik yazı fontunda Urdu dilinde büyük puntolarla "*Tehzib-i Nisvan*" yazılıdır.

Başlığın alt kısmında abonelik ücretinin yıllık olarak ödendiği ve Muhammedi Begüm editörlüğünde her cumartesi kız çocukları için yayınlandığı yazmaktadır. Cilt 3, Lahor, 21 Ocak 1905 Cumartesi, 3. Sayı şeklinde risalenin yayın tarihi ve yeri ile ilgili bilgilere yer verilmiştir. İncelenen sayının ulaşılan sayfa sayısı toplam 12'dir. Risalenin yazı fontu *Jameel Noori*'dir. Yazı fontu ve yazı boyutu okuyucunun rahatça okuyabileceği şekilde tasarlanmıştır.

تہذیب النسوان

قیمت سالانہ پیشگی مع محصول ڈاک

ہر شنبہ کو ایک شریف بی بی کی اڈیٹری میں لڑکیوں کے لئے شائع ہوتا ہے

جلد ۸ | لاہور شنبہ ۲۱ جنوری ۱۹۰۵ء | نمبر ۳

تہذیب النسوان

شہر لاہور مورخہ ۱۴ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

فہرست مضامین

[1] Risalenin görsellerine, British Library https://eap.bl.uk/collection/EAP566-2-1 adresinden ulaşılmıştır. Dergilerin orijinal nüshaları, Abdul Majeed Kholhar Kütüphanesi'nde mevcuttur.

Risalenin kapağında fihrist yer almaktadır ve bazı içerik başlıkları şu şekildedir:

1- Eşin Ailesine Hürmet
2- Bir Hristiyan Düğünü
3- Yardım Köşesi
4- Eğitimimiz
5- Aşkın Resmi (Hikâye)
6- Editör
7- Zehra Hanım
8- Beşir Begüm
9- Yazar Mahlası
10- Seçkiler (Mahzen)

Risalede yer alan bazı bölümlerde farklı bölgelerden kadınların, kimi zaman içini dökmek kimi zaman da fikir danışmak için mektuplar yazdıkları görülmüştür. Örneğin; yardım köşesine yazan bir okur, yaşadığı bölgede okuma yazma bilen kız çocuklarının sayısının çok az olmasından duyduğu üzüntüyü dile getirmiş ve bu durumun nasıl iyileştirilebileceğine dair öneriler istemiştir. Bir diğer bölümde, kadınların İslami konularda da eğitimli olmasının gerekliliğinden bahsedilmiştir. Kadının İslami kurallar çerçevesinde eşine nasıl davranması gerektiği ve cehaletin ancak eğitimle temizlenebileceği vurgulanmıştır. Yalnızca Hint-Alt Kıtasını kapsayan bölgelerle sınırlı kalmamış farklı ülkelerle ilgili bilgilendirme köşesi ve farklı dinlere mensup gelin ve damadın olduğu bir düğünü anlatan kültürel yazıya yer verildiği görülmüştür. Hikâye köşesinde ise evlilikte kadın ve erkeğin zaman zaman maddi-manevi sorunlar yaşayabileceği ve bu sorunları ancak birlik olunursa aşabileceklerini anlatan öğüt verici bir konu işlenmiştir. Bunların yanında okuyucuların eğlenmesi için bilmece köşesi, okuyucuların risale ile ilgili düşüncelerini ifade ettiği teşekkür bölümü, duyurular ve okuyucuya faydalı notlar bölümleri de mevcuttur. 1905 yılı Ocak ayı sayısını genel çerçevede özetleyecek olursak; konu seçimlerinin tamamen

kadınların gelişimine yönelik ve onları bilinçlendirmek üzere seçilmiş yazılardan oluştuğu söylenebilmektedir.

Risalede bulunan sayfalardan bazıları biçim olarak şu şekildedir:

Sayfa: 17

تہذیب النسوان ۱۷ ۱۱ جنوری ۱۹۰۹ء

میکے کی عزت

ماں باپ کو اپنی اولاد جس قدر عزیز ہوتی ہے، وہ محتاج بیان نہیں، اور جس جان کا ہیوں اور زیر باریوں سے وہ اولاد کو پالتے ہیں، اُس کا کچھ حساب نہیں۔ پال پوس کر ماں باپ کی دلی خوشی یہ ہوتی ہے، کہ ہم اپنی بیٹیوں کو جہاں، رہا ہیں، وہ اچھا گھر ہو، بلکہ یہاں تک، کہ اپنی حیثیت سے زیادہ، اور اپنے ترتیب سے بدرجہ والا بر تلاش کرتے ہیں، اور بعض دفعہ خوش قسمتی سے ایسا ہو بھی جاتا ہے، کہ اپنے سے زیادہ آسودہ حال و اعلیٰ جاتا ہے، اور بیٹی کا رشتہ طے ہو جاتا ہے۔ جہاں تک ماں باپ سے بن پڑتا ہے، بیاہ شادی کے موقع پر بیٹی کو دل کھول کر دان دہیز دیتے ہیں، بلکہ یہاں تک کہ بیٹی کے کھانے پڑھانے وغیرہ پر اس قدر روپیہ خرچنا گوارا نہیں کرتے، جس قدر دان دہیز پر مقدور اور حیثیت سے بڑھ کر اسراف کر ڈالتے ہیں۔ پھر بیٹیوں کا دینا کوئی ایک ہی دفعہ کا دینا نہیں ہوتا، بلکہ قریباً ہر تیسرے، اور ہر موقع مناسب پر ماں باپ بیٹیوں کو دیتے رہتے ہیں۔ غرض ماں باپ بڑے بڑے چاؤ چوچلوں سے بیٹیوں کے ناز پورے کرتی ہیں۔ لیکن یہ کس قدر افسوس کی بات ہے، کہ اکثر لڑکیاں جو اپنے سسرال میں جا کر ماں باپ سے زیادہ امیر ہو جاتی ہیں، وہ اپنی نئی امیری کے خیال سے اپنے غریب یا کم حیثیت والدین کو کچھ سمجھتے نہیں لاتیں۔ وہ اس بات کا مطلق خیال نہیں کرتیں، کہ اُن کے امیر گھر بیاہے جانے، اور امیر ہو جانے سے ماں باپ تو امیر نہیں بن سکتے۔ ماں اپنے اسی دلی شوق اور محبت سے اپنی اسی پہلو نشست کے موافق بیٹی کو دیتی دلاتی ہیں، پھر اگر، بہت سا، اور خاطر خواہ، مہر، اتنے، تو بیٹی خوش ہو کے لیتی ہے۔ لیکن اگر کچھ کم ہوا، تو پھر اُس کی خاطر تلے نہیں آتا، بلکہ اس چیز کو نظر حقارت سے دیکھتی ہیں، اور کبھی یہ حقارت اس درجہ تک پہنچ جاتی ہے، کہ وہ اپنی ماں کی دی ہوئی چیزوں پر بھی کہہ دیتی ہیں، اور ماں سے جھگڑتی بھی ہیں، کہ ہم اس ذرا سی چیز کو لے کر کیا کریں گی۔ ایسی ایسی چیزیں تو ہم اپنے ماں کے کیونکر دے دیا کرتی ہیں۔ یہ بھی تم اپنے پاس رہنے دو۔ ہمیں خدا نے بہت کچھ دے رکھا ہے، کسی چیز کی کمی نہیں۔

بیٹی کی طرف سے اس قسم کی دل شکن باتیں سن کر میکے والوں کا دل ٹوٹ جاتا ہے، اور ان کو اس بات کا نہایت رنج ہوتا ہے، کہ دو کی جسے ہم نے ننھی سی کو پالا پوسا، اور پھر اچھے سے اچھا گھر ڈھونڈ کر بیاہا، وہ اب ہمیں خاطر تلے نہ لائے! لیکن پھر وہ اس خیال سے اپنا دل خوش کر لیتے ہیں، کہ چلو قسمت ہے، کہ ہماری بچی کو خدا نے اتنا تو دے رکھا ہے، کہ اُسے ہماری پروا نہیں۔ لڑکیوں کو اپنے والدین کی عزت و تعظیم بہت ہی

Sayfa:18

تہذیب النسوان ۱۸ ۱۱ جنوری ۱۹۰۹ء

کرنی واجب ہے۔ لیکن رہا ہے بعد تو وہ اپنے ماں باپ کو اور میکے والوں کو جس قدر عزت اور محبت کی نظر سے دیکھیں کم ہے۔ اُن کے ہیچ سے ناچیز چیزوں کو دلی شوق اور محبت سے قبول کرنا اور اپنے لئے باعث عزت سمجھنا چاہئے۔ بیٹی کے لئے اس سے زیادہ اور کیا خالص ہو سکتی ہے، کہ سسرال والوں کی خدمت کا گھر ماں باپ پر جتایا جائے، کہ ہم یہ نہیں سمجھ سکتی ہو، کہ اگر تم آسودہ حال گھر میں بیاہی گئی ہو، تو یہ کس کی کوشش سے؟ انصاف سے دیکھو، تو سسرال کی تمام دولت اور حشمت والدین کی بخشش ہے۔ کیونکہ تم ماں باپ کے ہاتھ میں ایک کٹھ پتلی کی مانند تھیں۔ اگر وہ تمہیں کسی شخص کو نکال گھر میں بیاہ دیتے، تو تمہارا کیا منہ رہتا؟ دینے لینے کا یہ ہے، کہ جو جس کا حق ہوتا ہے، ماں باپ اسے اس سے کبھی محروم نہیں رکھتے۔ اولاد سے زیادہ اور کیا چیز عزیز ہے۔ وہ اپنی جان تک اپنے بچوں پر قربان کرنے میں دریغ نہیں کرتے، دولت تو کیا چیز ہے۔ تھوڑی بہت جو وہ عاقبت اندیشی سے اپنے پاس اُسے وقت کے لئے لگائے رکھتے ہیں، وہ بھی آخر کو اولاد ہی کا حصہ ہو جاتی ہے۔ ایسی صورتوں میں دولت جیسی چیز کے لئے ماں باپ سے جھگڑنا، اور ان کا دل دکھا کر پرے دھیکے کی نالائقی اور ناشکرپن ہے۔ اگر خدا نے تمہیں لاکھوں روپے کا مالک کیا ہے، تو ماں باپ کی آنکھوں ٹھنڈک کیجئے۔ یہ شکر ہے، وہ خوب جانتے ہیں، کہ ہم اپنی محبت سے جو ایک تار زیور کا یا جوڑے کپڑے کے، یا کوئی اور چیز تم کو دیتے اس سے زیادہ تم خود بنانے کا مقدور رکھتی ہو، مگر محبت اور ماں باپ کا ماں اس بات پر مجبور کرتا ہے، کہ جو کچھ ہو سکے، بیٹی کو دے کر اس ماں کو پھر کریں، ایسی صورت میں ماں باپ کے دیئے کو خواہ وہ ایک ادنیٰ سے ادنیٰ چیز ہی کیوں نہ ہو، اپنے شکر گزاری کے ہاتھوں سے لینا، اور دلی محبت و تعظیم سے قبول کرنا چاہئے۔ اُن کی دی ہوئی چیز کی نسبت یہ خیال کرنا، کہ اس سے ہماری دولت بڑھے، ایک فضول خیال ہے، بلکہ یہ سوچنا چاہئے، کہ ہمارے لئے یہ ایک اعلیٰ تبرک ہے۔ اور خدا کرے، کہ کل عالم کی بیٹیوں کے ماں باپ اُن کے سروں پر قائم رہیں، اور ان کے ماں گون پر سے کیا کریں۔

راقم ذیشر

ایک عیسائی شادی

ڈاکٹر رودیار و بہت ہی اچھے مالی خاندان کے شخص ہیں۔ اُن کا اصل وطن گوا ہے، مگر تمام عمر انہوں نے بمبئی میں صرف کی، اور یہاں اپنے وقت میں وہ نامی ڈاکٹر تھے۔ اب تک بھی آغا خان کے گھرانے سے اُن کو بڑا تعلق ہے۔ اُن کی بی بی، اور لڑکیوں سے خاص ہم لوگوں کا ملنا جلنا

Risaleyi daha verimli kullanabilmek için sayfa düzeni tek sayfada iki sütun hâlinde tasarlanmıştır. Kadın ruhunun bir yansıması olan çiçek ve yaprak motiflerine bazı sayfaların sonunda yer verilmiştir. Bu motiflerin dışında risalenin sayfalarında resim yer almamaktadır.

Sayfa: 20

تہذیب النسوان

تہذیب نسوان کی مدد

جناب اڈیٹر صاحبہ، مدظلہا آپ کو سلامت رکھے اور آپ کی ہمدردی میں ترقی دے، کہ آپ کی کوشش اور توجہ سے یہ عجیب پرچہ تہذیب نسوان عرصہ سے شائع ہو رہا ہے، جو ہم کم علم اور کم لیاقت فوقِ نسوان کے لئے یکسر مشعلِ ہدایت ہے۔ میں عرصہ سے اس کی خریدار ہوں، اور میں آپ سے سچ کہتی ہوں، کہ یہ پرچہ کس قابلیت کے ساتھ تیار کیا جاتا ہے، کہ میرے نزدیک سب عورتوں کے لئے اس سے زیادہ دلچسپ آوگی پرچہ نہ ہو سکتا ہے۔

بعض لوگوں کا جو یہ خیال ہے، کہ لڑکیوں، یا کم پڑھی لکھی عورتوں کے لئے تو یہ مفید ہے، اور اچھی تعلیم یافتہ بیبیاں اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتیں۔ اس کا میں یہ جواب دیتی ہوں، کہ ہمارے ہندوستان میں اور ہم مسلمانوں میں کتنی عورتیں ایسی ہیں، جو اعلیٰ مضمون سمجھ سکتی، اور ان سے فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔ ایسی تعلیم یافتہ عورتیں بہت تھوڑی نکلیں گی۔ پس بجائے اسکے، کہ ان چند پڑھے لائق بہنوں کو آذر زیادہ لائق بنائیں، یہ زیادہ مفید ہے، کہ ہزاروں بیخانہ و نکیاں ہیں، ان کی درستی کی فکر کی جائے۔ اس لئے ضرور ہے، کہ جن بہنوں کو تہذیب نسوان کی بہتری کا خیال ہے وہ ضرور کوشش کر کے ایک ایک دو دو خریدار پیدا

ان لوگوں میں ناچنے کا رواج ہے۔ اس وجہ سے ذہن باہر گئی، اور ہم منتظر ہے، ان دونوں کی صحت اور عافیت کے جام پیتے گئے۔ اس کے بعد کل مہمانوں میں قسم قسم کی مٹھائی، طرح طرح کے لوز وغیرہ تقسیم ہوئے۔ اس بات سے فراغت کر کے ہماری خاطر دو جوڑوں نے ناچ کر کے دکھایا۔ دولہا دلہن بھی شریک تھے، اور اس کے ساتھ تال اور سم رکھنے کے لئے ریاند باجا بجتا تھا۔ بہت ہی اچھا نظارہ تھا۔ آہستہ آہستہ مہمانوں نے وداع ہونا شروع کیا، اور جب میدان صاف ہوا، تو ہم کو دولہا دلہن کے دوست اور رشتہ دار کے سب دیدے دکھائے۔ ماشاء اللہ آنکھیں روشن ہو گئیں۔ وہ تھا کی تین ہزار کے گہنے معلوم ہوتے تھے۔ بلکہ زیادہ ہوں، تو عجب نہیں۔ پرانی طرز چینی کے پیالے اور تشتریاں، چاندی کی مختلف ضروریات کی چیزیں، جواہرات کی بھی تھوڑی اشیاء۔ مطلب کہ میز کی اور خاص اپنے کام کی اور گول کمرے کی مختلف چیزیں، سب بہت ہی کارآمد۔ محظوظ ہو کر واپس آ گئے۔

ان میں دستور ہے، کہ بیاہ کے بعد دولہا دلہن کم از کم دو روز کے لئے کہیں سیر کو ضرور جاتے ہیں۔ اسی موافق بارہ تاریخ کو ہفتہ عشرہ کے لئے نکل گئے۔

راقمہ زہرا خانم، از لکھنؤ

Sayfa:21

تہذیب النسوان

جوں ہی یہ دونوں رفیق نزدیک پہنچے، جگانے بجانے کی دلکش آواز ان کے کان میں پڑی۔ آہ! مریم نہایت بھولے پن کی ادا سے اپنے ستار پر ایک چھوٹا سا گیت گا رہی تھی۔ دونوں رفیقوں کی آہٹ پاکر ایک منتظر چہرہ بھور کے سے چمک کر غائب ہو گیا۔ خطبہ کے بعد مریم پاس سفید خوبصورت اور بہاتی وضع کا پہنے، بالوں میں بنگل کے پھول لگائے، چہرہ پر شگفتگی، اپنے شوہر کے استقبال کو نکلی۔ جھونپڑی کے پیچھے ایک دفعت کے نیچے ایک خوشنما میز لگی تھی، اور کچھ مزے دار چیزیں چھوٹے چھوٹے پھل اس پر چنے رکھے تھے۔

اس طرح اس افلاس میں یہ میاں بیوی گزر کرتے تھے، اور مریم صفت مریم جو کسی زمانہ میں عالیشان محلوں میں رہ چکی تھی، اسی خوشی اور بشاشت سے جھونپڑی میں رہتی، اور اپنے شوہر کو خوش رکھنے میں کوشاں نظر آتی تھی۔

اڈیٹر: یہ ایک نہایت عمدہ مثال ہے۔ ایسی زندگی کی جس میں میاں بیوی سے ہر ایک نے اپنے اپنے حق کو پورے طور پر ادا کرنے کی کوشش کی۔ شوہر کو اپنی بیوی کا اس قدر پاس تھا، جتنا اس بات کا کہ بغیر بیوی کے بنگلہ میں قدم نہ رکھے۔ اور بیوی نے ایک آسودہ گھر کی بنی اور ناز و نعم میں پلی تھی زندگی کے اس انقلاب سے تو ذرا دل کا بھی خیال نہیں کیا، کہ کہیں اس سے شوہر کا دل نہ ٹوٹ جائے۔

Sayfa:24

تہذیب النسوان

کر کے اس اخبار کی مدد کریں، اور اس کا فائدہ عام طور پر ملک میں پھیلائیں۔

افسوس میں آپ کے اخبار کی مدد سے عاجز ہوں، کیونکہ میں جہاں ہوں، وہاں کسی پڑھی لکھی عورت سے مجھے ملنے کا کبھی اتفاق ہی نہیں ہوتا، اور نہ میرے گھر میں کوئی خواندہ ہے، ورنہ میں ہی سب سے پہلے اس تجویز میں پہل کرتی۔

راقمہ ط، غ، از مراد آباد

ہماری تعلیم

ہماری قوم پر نحوست، اور بے تہذیبی کی جو گھنگور گھٹا چھائی ہوئی، اور شرک و کفر کے جس قدر شعلے بھڑک رہے ہیں، ان سب میں زیادہ حصہ چنگاریوں کا نسوان ہی کی جہالت کی وجہ سے ہے۔ شادی بیاہ میں جس قدر ناجائز و بیجا رسومات ہوتی ہیں، وہ کس کو نہیں معلوم۔ یہ کل رسومات عورتیں خال نیک اور عمل صالح سمجھ کر کرتی ہیں۔ سوچنے کی بات ہے، کہ وہ کون سا پردہ ان کی سمجھ پر پڑا ہے، جو ان کو ایسا غلط فہم بنائے ہوئے ہے۔ صاف نظر آئے گا، کہ جہالت کا پردہ، ان کی جہالت ان پر مردوں کی نصیحتوں کا اثر نہیں ہونے دیتی۔ ان کی جہالت کی وجہ سے گھر کے مردوں کی زندگی تلخ ہے۔ وہ اپنی جہالت کی وجہ سے اپنے شوہر کے حقوق کو نہیں جانتی ہیں۔

میاں بیوی کی ناچاقیوں کا زیادہ تر باعث عورت ہی کی جہالت ہوتی ہے۔ یہ عورتیں اپنی جہالت کی وجہ سے اپنے خدا اور رسول کو بھی نہیں پہچانتی ہیں، اور ان کے احکام کی بجا آوری ٹھیک طور پر نہیں کرتیں۔ بلکہ خود بائیں خیالات کی درستی پر موقوف ہیں، اور خیالات کی درستی اس وقت تک نہیں ہو سکتی، جب تک تعلیم نہ ہوگی۔ کیونکہ علم ہی وہ آب ہے، جو جہالت کے زنگ کو صیقل کر کے دور کر سکتا ہے۔

راقمہ بشیر بیگم

تصویر محبت

یہ مضمون ساڈھے تین بابت ماہ ستمبر ۱۹۰۹ء میں شائع ہوا تھا۔ اس میں سے بعض اقتباسات مناسب حال معلوم ہوتے تھے، اگر کے ہم اسے نہایت شکریہ کے ساتھ یہاں درج کرتے ہیں:۔

ایک یورپین نوجوان شخص نے ایک نادر روزگار قبول صورت اور نہایت لائق و ہنر عورت سے شادی کی۔ اگرچہ خود اس عورت کے پاس چند دولت نہ تھی، مگر میاں نثار شوہر خود ایک آسودہ حال و باثروت شخص تھا، اور یہ دونوں جوڑے ناز و نعم میں رہتے تھے۔ ان دونوں میاں بیوی کی طبیعتیں کچھ عجیب طبیعتیں تھیں، وہ اپنی بیوی کا دلدادہ اور کسی قدر تھیں تھا، تو یہ تن تصویر شائستگی و سرت تھی، میاں بیوی کی جو

Örnek sayıdaki sayfalara bakıldığında başlıkların sayfa ortasında ve büyük punto ile yazıldığı görülmektedir. Bölüm başlıkları okuyucunun ilgisini çekebilecek şekilde belirlenmiştir. Risalenin genel yaklaşımı, ıslahı amaçlayan, nasihat niteliği taşıyan ve dini hassasiyet içeren konuları kadınlara hitap edecek bir üslupla sunmaktır.

Sonuç

1898-1949 yılları arasında haftalık yayınlanan *Tehzib-i Nisvan*, kadın hakları konusunda öncü çalışmalardan biri olarak kabul görmektedir. Başlangıçta çift sütun halinde 8-10 sayfa olan risalenin yıllar içinde içerik ve form olarak zenginleştiği gözlemlenmiştir. *Tehzib-i Nisvan*'ın ilk sayılarda oldukça az abonesi olmasına rağmen risalenin içeriğine her sayıda farklı zenginlikler eklendiği ve abone sayısını gittikçe artırma konusunda başarılı olunduğunu söylemek mümkündür. Risale bu sayede mütevazı yaşam süren insanların evlerine girmede etkili olmuş ve daha fazla okuyucunun hayatına dokunmuştur.

Kadın ve kadının tüm dünyasına yönelik hazırlanan *Tehzib-i Nisvan*, edebiyat dünyası için birçok seçkin kadın yazarın kendi potansiyelini keşfetmesine ve özgürce yazmaya başlamasına vesile olmuştur. Feminizm ile alakalı yazan kadın edebiyatçıların toplumsal farkındalığının yüksek olması, dönemin kadınlarını bilinçlendirmek için fikirlerin ortaya konuş biçimine yeni bir soluk kazandırmıştır. Bu da risalenin, kadınlar için bir düşünsel dönüşüm sürecini tetikleyen bir gelişim sürecine katkıda bulunduğunu göstermektedir. Dikiş-nakıştan, bebek bakımına, eşlerin birbirlerine davranışlarının nasıl olması gerektiğinden, sağlıkla ilgili faydalı bilgiler verilmesi gibi geniş konu yelpazesinin olmasının yanında her okuyucuya hitap eden anlaşılabilir-sade bir dil kullanılması daha fazla okuyucuya ulaşmada önemli bir rol oynamaktadır. Yayın hayatına neredeyse yarım asır devam eden *Tehzib-i Nisvan*'a önemli edebiyat yazarlarının yanı sıra bölgenin çeşitli yerlerinde evlerinden yazan ev hanımları da büyük katkı sağlamıştır. Ele alınan konuların dönemin gerçekliklerini

yansıtması bakımından risalenin yayınlandığı tarihler hakkında fikir sahibi olabileceğimizi söylemek mümkündür. Çalışmamızda biçim ve içerik bakımından incelediğimiz sayıya bakıldığında ise derginin kuruluş amaçlarına uygun, kadınların sosyal açıdan gelişimine odaklı bir sayı olarak hazırlandığını söylemek mümkündür. Farklı kültürlerle etkileşim gibi deneyimler, empati duygusunu geliştirerek daha anlamlı bir yaşam için farkındalık yaratıcı köşe yazıları gözlemlenmiştir. Kadınların dini ve fikri dünyasındaki soru ve sorunlarına cevap aranmış ve yalnızca kadınlara yönelik olması bakımından kadınların kendilerini daha rahat ifade edebildikleri bir platform haline gelmiştir.

Kadınlara yönelik düzenli olarak yayımlanan ilk haftalık gazete olma niteliği taşıyan *Tehzib-i Nisvan*, ilk sayısından son sayısına kadar kadınların toplumdaki yerini ve kadının kendini nasıl geliştirmesi gerektiği ile ilgili okuyucularına yol haritası niteliğinde yazılı bir kaynak olmuştur. Bu gazete sayesinde kadınların toplumsal hayatta daha aktif rol almasına katkıda bulunan önemli bir yayın olarak kabul görmektedir. Günümüzde risalenin ulaşılabilen tüm sayıları ile alakalı yapılacak detaylı bir konu tasnifi çalışması; yayınlandığı dönemin öne çıkan fikirlerini, edebiyat ve kültüre dair gelişimlerini daha kapsamlı bir şekilde tanımamız açısından faydalı bir kaynak görevi görecektir.

KAYNAKÇA

Azemuddin, Muhammad (December 2015). "Sir Sayyad Ahmad Khan: The Editor and Journalist" International Journal of All Research Education and Scientific Methods (IJARESM). Volume 3. Issue 12:54-62.

Bashir, Faiza - Khanum Almas. (2016). "The Role of Female Writers in the Promotion of Popular Literature in Urdu" Humanities and Social Sciences Vol. 23. No.2 :55-61.

Rangeen Feruz Ul Urdu Jadeed. (2007). Lahore. Ferozsons.

Bano, Shamim. (2015). Participation Of Muslim Women In The Socio Cultural And Educational Activities In North India During The 19. Century. Doctor Thesis. Aligarh Muslim University, India.

Belen Özcan, Asuman (2012a). Doğu Kültüründe Anlatı Geleneği Urdu Nesri. Ankara: HDY Yayınları.

Belen Özcan, Asuman (2002b Yaz). "Roman Yazan Kadınlar: Raşida-ul Nisa Begum'dan Kuretulayn Haydar'a" A.Ü.D.T.C.F. Nüsha. Yıl II. Sayı 6: 57-68

Bilik, Nuriye (1999). "Urduca İlk Gazete ve Dergiler" Selçuk Üniversitesi Edebiyat Fakültesi Dergisi Sayı 13: 375-380

Çiftsüren, Arzu. (2019). "Urdu Gazeteciliğinde Öncü Kadınlar ve Kadınlara Yönelik Yayın Yapan İlk Gazete ve Dergiler" . III. Uluslararası Avrasya Çalışmaları Sempozyumu- Avrasya'da Bilim ve Teknoloji Öncüleri. İstanbul: 352-358.

Durgun, Recep (2014). "Hint Edebiyatında Feminizm ve Amrita Pritam'ın Muskrahit Ka Phançi Adlı Öyküsünün İncelenmesi" Selçuk Üniversitesi Fen Edebiyat Fakültesi Edebiyat Dergisi. Sayı 31: 147-160.

Hussain, Ishtiaq (2022). "Aliah University Kolkata Revisiting a Fractured Legacy: Sir Syed Ahmed Khan and Muslim Women Education" Rashhat-e-Qalam Vol. 2. Issue 2.

Ishfaq, Humaira - Yaqub, Ghazal (2022). "Journal of Languages Culture and Civilization" Volume 4. Issue 1 March: 1-19.

Minoult, Gail. (1990a). "Sayyid Mumtaz Ali and 'Huquq un-Niswan : An Advocate of Women's Rights in Islam in the Late Nineteenth Century" Modem Asian Studies 24: 147-172. Printed in Great Britain.

Minoult, Gail. (2008b). "Sayyid Mumtaz Ali and Tazhib un-Nisvan, Women's Rights In Islam and Women's Journalism In Urdu". Women and Social Reform In Modern India. Indiana Universty Press. Part 16: 359-377

Özenç, Nuray (2007). "Urdu Hikâyeciliğinde Kadın Teması Ve Kadın Hikâye Yazarlarına Genel Bir Bakış" Selçuk Üniversitesi Fen Edebiyat Fakültesi Edebiyat Dergisi. Sayı 17: 209-220.

Salahuddin Ambreen (2005). "Feminism in Modern Urdu Poetesses (1857- 2000)". Lahore: West Pakistan Urdu Academy:58.

Şahbaz, Davut (2017). "Müslüman Hindistan ve Pakistan'ın Modern Kadın Öykücüsü: Hicab İmtiyaz Ali" 28 International Congress Of Eurasian Social Sciences (ICOESS) Ağustos Özel Sayısı:70

Şenderin, Zübeyde (2016). "Nihâl (H. 1303-1305) Dergisi Üzerine Bir İnceleme" Dede Korkut Dergisi. Sayı 10: 80-95.

Tehzib-i Nisvan. (1905). 8. Cilt, Ocak Ayı. 3. Sayı. Lahore. "نو آبادیاتی ہندوستان تہذیبِ نسواں میں نسائی شعور کا علمبردار"Yaqub, Ghazal (2024). " Lahore: Bakspublications.

Yoğurt, C. (2021a). "Disregarding Female Dignity in Vālmīki's Epic Poem 'Rāmāyaṇa' and Premchand's Story 'Nirvāsan'". Erciyes Üniversitesi Sosyal Bilimler Enstitüsü Erciyes Akademi Dergisi, Cilt.35, S.221-234.

Yoğurt, C. (2021b). “Premçand'ın Öykülerinde Beylik Motifler”. Ankara Üniversitesi Dil ve Tarih-Coğrafya Fakültesi Doğu Dilleri Dergisi, Cilt.6, Sa.2, S.108-117.

İnternet Kaynakları

عورتوں میں تعلیم، سیاست اور سماج کا شعور اجاگر کرنے والی محمدی بیگم_ Erişim tarihi: 08.09.2024 https://urdu.arynews.tv/mohammadi-begum/

Literary Notes: Muhammedi Begum and Tehzeeb-e Niswan Erişim tarihi: 08.09.2024

Muhammadi Begum and Tehzeeb-e-Niswan". Dawn

Re-imagining of Muslim Women - II Erişim tarihi: 08.09.2024 https://www.thenews.com.pk/tns/detail/565865-re-imagining-muslim-women-ii

Tahzib-i Niswan (1898-1949) Erişim tarihi: 08.09.2024 https://eap.bl.uk/collection/EAP566-2-1

تہذیب نسواں Erişim tarihi: 08.09.2024 https://www.rekhta.org/

Tehzeb-al-niswan-w-tarbiyat-al-insan Erişim tarihi: 08.09.2024 https://kitabosunnat.com/kutub-library/tehzeb-al-niswan-w-tarbiyat-al-insan

Ankara Üniversitesi
Dil ve Tarih-Coğrafya Fakültesi
Doğu Dilleri Dergisi / Journal of Oriental Languages

Cilt/Volume: X Sayı/Number: I Nisan/April: 2025

SAADAT HASAN MANTO'DA KADIN KARAKTERLER: "HATAK" VE MUZEİL" ÖYKÜLERİ EKSENİNDE

Arzu ÇİFTSÜREN*

Öz

Saadat Hasan Manto Urdu edebiyatının en büyük öykü yazarlarından biri olarak kabul edilir. Bölünme sürecini kendisi de bizzat yaşamış biri olarak anlattığı hikâyeler bölünmeyi, iki sınır arasındaki göç sürecini ve bu süreçte yaşanan vahşeti tüm çıplaklığı ile yansıtmaktadır. Öykülerinin çoğunda ana karakterler olarak kadınları merkeze alan Manto, Urdu dilinin diğer öykü yazarlarından farklı olarak bölünmeyi cinsel saldırıya uğramış ya da bedenlerini satarak hayatlarını idame ettirmek zorunda bırakılmış kadınların gözüyle ele almaktadır. Farklı din ve inançtan insanların bir arada yaşadığı bir coğrafyada, düşmanı aşağılamanın en iyi yolunun diğer din ve inanç mensubu kadınların bedenlerine yönelik saldırı olduğuna inanılan bir toplumda, öyküleri aracılığıyla bu kadınların acılarına ortak olmuştur. Nitekim Hindistan'ın bölünmesi ve göç sürecinde binlerce kadının tecavüze uğradığı tarihsel bir gerçektir ve Manto, bunu yüksek sesle dillendirme cesaretini öyküleri aracılığıyla göstermiştir. Toplumun yüzleşmediği ya da yüzleşmek istemediği bu kadınları öykülerine taşıması kendisinin defalarca müstehcenlikle suçlanmasına ve ceza almasına sebep olmuştur. Manto'nun öykülerine konu olan kadın karakterler düşkün ama gururlu, kendilerini ticari bir meta olarak gören iş bulucularına karşı bile şefkatli, kendileri yokluk içinde olmasına rağmen başka kadınlara yardım etmeyi kendilerine vazife bilen merhametli ama bir o kadar da sevgiye muhtaç, hayatlarındaki erkeklerin de yükünü sırtlanmış kadınlardır. Bu kadın karakterler toplum tarafından kabul görmemiştir. Çünkü Manto bu karakterleri anne, ev hanımı, itaatkâr bir eş, uysal bir kız evlat gibi yaşadıkları toplumun onlara bir kadın olarak biçtiği rollerin dışına çıkarmıştır. Muzeil ve Sugandhi de Manto'nun en meşhur kadın karakterlerinden ikisidir. Sınır tanımayan Yahudi bir kadın olan Muzeil ile sefalet koşullarında yaşamasında rağmen bir müşterisinin kendini aşağılayan tavrıyla gururu incinen ve içsel bir yolculuğa çıkan Sugandhi'nin anlatıldığı iki öykü olan "Muzeil" ve "Hatak" çalışmamızın konusunu oluşturmaktadır. Bu çalışmada mezkur iki kadın karakterin bu öykülere nasıl yansıdığı incelenerek Manto'nun kadını toplum içinde nasıl konumlandırdığı ve bu kadınlara nasıl roller biçtiği ele alınmaya çalışılacaktır.

Anahtar Kelimeler

Saadat HasanManto
Kadın
Bölünme Muzeil
Hatak

Makale Hakkında

Gönderim Tarihi:
23.03.2025
Kabul Tarihi:
29.03.2025
E-Yayın Tarihi:
27.04.2025

* Doç. Dr., İstanbul Üniversitesi, Edebiyat Fakültesi, Doğu Dilleri ve Edebiyatları Bölümü, Urdu Dili ve Edebiyatı Anabilim Dalı, asuren@istanbul.edu.tr, ORCID: 0000-0003-0590-348X.
DOI: 10.61134/audodilder.1661609

THE AXIS OF "HATAK" AND "MUZEIL" STORIES; THE FEMALE CHARACTERS IN SADAAT HASAN MANTO

Abstract

Saadat Hasan Manto is considered one of the greatest short story writers in Urdu literature. His stories reflect the partition of India and Pakistan, the migration process, and the brutality experienced during that time. Manto's personal experience with partitioning is evident in his stories. Unlike other Urdu short story writers, Manto focuses on partition through the eyes of women who are sexually assaulted or forced to sell their bodies. This is a unique perspective that sheds light on the suffering of women who are often overlooked. Manto's use of female protagonists allows for a deeper understanding of the impact of the partition on women. He portrays the societal belief that attacking women's bodies is a way of humiliating the enemy, which adds to the complexity of the issue. Manto's stories offer valuable insights into the experiences of women during the partition. It is a well-known fact that thousands of women were raped during the sub-continenet partition and the subsequent migration process. Manto was one of the few who dared to speak out about the truth in his accounts. By including these women, who were often ignored or dismissed by society, in his writing, he was accused of obscenity. In Manto's work, female characters are portrayed as proud and compassionate, even toward those who view them as commodities. These women require affection and are willing to assist other women in their time of need. In addition, they bear the burden of men in their lives. Society does not accept these women. In his stories, Manto has taken these characters out of the roles prescribed to them as women by their society, such as mother, housewife, obedient wife, and docile daughter. Mozail and Sugandhi are two of Manto's most famous female characters. The story named Mozail features Mozail, a Jewish woman who defies societal norms, and Sugandhi, who undertakes an inner journey after humiliating a customer despite living in squalid conditions. These stories are the subjects of our study. This article tries to examine how Manto positions women in society and the roles he assigns to them through the portrayal of two female characters in his stories.

Keywords

Saadat Hasan Manto
Women
Partition
Mozail
Hatak

Article Info

Received: 23.03.2025
Accepted: 29.03.2025
E-Published:27.04.2025

Giriş

1857 yılına kadar Türk soylu devletler tarafından yönetilen Hint alt kıtası bu tarihten sonra İngilizlerin egemenliğine geçmiş, böylece bölge halkı hükmeden konumundan çıkıp hükmedilen konumuna getirilmişti. İngilizler tarafından bölgede bir tehdit unsuru olarak görülen Müslümanlara karşı Hindulara birtakım ayrıcalıklar tanınmıştı. Bu durum da Hindu ve Müslümanlar arasında çatışmaların çıkmasına ve 1947 yılında bölünmeye kadar gidecek sorunların baş göstermesine neden olmuştu (Görgün, 2022: 60).

Hindistan'ın bölünme süreci şüphesiz bölge halkı için etkileri bugün dahi devam eden en travmatik olaylardan biridir. Hindu ve Müslüman Hintliler arasında yaşanan çatışmalar, Hindistan'ın bağımsızlık sürecindeki dini ve etnik çizgiler arasında şekillenen siyasi dinamiklerin bir yansıması olmakla beraber Hindistan'ın bölünmesi ve Pakistan'ın kurulması sürecindeki toplumsal gerilimlerin ve kırılmaların da habercisi olmuştur (İşsever, 2024: 413).

Hindistan'ın, Hindistan ve Pakistan (Doğu Pakistan ve Batı Pakistan) olarak din merkezli bölünmesi sınırın iki tarafından 4 yıl sürecek bir mübadele sürecinin yaşanmasına sebep olmuş, bu süreçte insanlık tarihinin en büyük göçü yaşanmış ve yaklaşık 16,7 milyon insan yerlerinden edilmiş, 2 milyon civarında insan kaybolmuş ve yarım milyona yakın insan da hayatını kaybetmiştir (İşsever, 2024: 117). Bu trajedinin izlerini bugün bile alt kıta topraklarında görmek mümkündür. Nitekim bugün Hindistan'da özellikle Hindu ve Müslümanlar arasında yaşanan çatışmaların temelinde de bu bölünme vardır. Bu bölünme ve akabinde yaşananlar edebiyatın her alanına belirgin bir şekilde yansımış, bir dönem edebiyatına yön vermiştir. Fesadat (Hizip Çatışmaları) olarak Urdu edebiyatına geçen bu süreçte yazarlar ortak değerleri bir kenara bırakarak ortaya çıkan yeni hangi ülkede kaldılarsa oranın değerlerini kaleme almışlardı. Bu dönem, alt kıta halkı için unutulması mümkün olmayan korkunç katliamlar, ayrılıklar ve çaresizliklerle doluydu. İnsanlar evlerini, işlerini, sevdiklerini geride bırakarak yeni ülkelerine göç etmek zorunda kalmışlar ve bu esnada pek çok kayıplara maruz kalmışlardı mgvfgf(Görgün, 2023: 179). Özellikle öykü türünde birçok eserin kaleme alındığı bu süreçte öykü yazarları içinde bulundukları durumdan çıkmanın yollarını aramaya çalışmışlardır. Acı ve şiddeti yaşamış bu insanlar, kimliksizlik, vatansızlık, bir yere ait olmama duygusu ile evlerinden yurtlarından koparılmıştır. Bütün bu duygularla toplumsal ve sınıfsal gerçekçiliğin yanı sıra, psikolojik gerçekçiliğe eğilim de artmıştır (Özcan, 2012: 342).

Urdu öykücülüğünde ayrıcalıklı bir yere sahip olan Saadat Hasan Manto, bölünmeyi ve göçü diğer pek çok edebiyatçı gibi bizzat kendisi de yaşamış, Bombay'dan Lahor'a göç etmiştir. Yaşadığı bu süreci öykülerinde işlemiştir. Yaşadığı dönem, halkın üzerindeki baskıların, zulümlerin, her türlü haksızlığın son safhasına ulaştığı dönemdir. Bu nedenle Manto'nun öyküleri o dönemin sosyal, siyasi ve ekonomik yaşamının aynası olmuştur (Çakmakcı, 2023: 191).

Manto'nun öykülerinin kendine has bir yapısı olduğu muhakkaktır. Sınırda kaybolan bir sokak köpeği üzerinden bölünmeyi anlattığı *Titwal ka Kutta (Titwal'in Köpeği*), Hindistan'ın bölünmesini akıl hastalarının gözünden ironik bir şekilde anlattığı *Toba Tek Singh* şüphesiz Hindistan'ın bölünmesi üzerine düşündüren ve aslında Manto'ya göre bölünmenin anlamsızlığını vurgulayan en önemli

öykülerdendir. Nitekim *Toba Tek Singh*'te geçen aşağıdaki satırlar bölünmenin anlamsızlığını ortaya koymaktadır:

"Hastanede yatanların tümü aslında akıl hastası değildi. Aralarında, aileleri tarafından yetkililere rüşvet verilerek akıl hastanesine gönderilmek suretiyle idam sehpasından kurtarılan katiller de vardı. Bunlar Hindistan'ın neden bölündüğünü ve Pakistan'ın ne olduğunu biraz biraz anlıyorlardı. Ama gerçekte ne olduğundan onlar da habersizdi. Gazetelerden bir şey anlaşılmıyordu ve hasta bakıcılar da cahil insanlardı. Onların aralarındaki konuşmalardan da pek bir şey çıkarılmıyordu. Ancak kendisine "Kaid-i Azam" denilen Muhammed Ali Cinnah isimli bir kişinin Müslümanlar için adı Pakistan olan ayrı bir ülke kurduğunu anlayabilmişlerdi. Gelgelelim, hangi mevkidedir, nerededir, bununla alâkalı hiçbir fikirleri yoktu. Bu yüzden de aklını tamamen yitirmemiş olanlar Hindistan'da mı yoksa Pakistan da mı oldukları konusunda ikilem yaşıyordu. Eğer şimdi Hindistan'da iseler o halde Pakistan neresiydi? Pakistan'da iseler daha birkaç gün evvel Pakistan'da yaşarken nasıl olur da şimdi birdenbire Hindistan'da yaşar olmuşlardı." (Manto, 2023: 20)

Ünlü akademisyen ve aynı zamanda Manto'nun yeğeni Ayesha Jalal'in aktarımıyla Manto, bölünme sonrası süreci şu şekilde tasvir etmektedir:

Şimdi gözlerimizin önünde kurumuş kan izleri, parçalanmış insanlar, kömürleşmiş yüzler, ezilmiş boyunlar, dehşete düşmüş insanlar, yağmalanmış evler, yanmış tarlalar, moloz yığınları ve dolup taşan hastaneler uzanıyor. Özgürüz. Hindistan özgür. Pakistan özgür. Ve biz ıssız sokaklarda mutlak bir acıyla herhangi bir şeye sahip olmaksızın çırılçıplak yürüyoruz. (Jalal, 2017: 17-18)

Bütün bu süreçte en çok zarar görenin kadınlar olduğu muhakkaktır. Kadın bedeni üzerinden güç ve gövde gösterisi yapıldığı süreçte Manto yaşananlara kayıtsız kalmamış eserleriyle bu vahşete ayna tutmuştur. Ayesha Jalal bu konuyla ilgili şunları yazmıştır:

Aklıma kurtarılmış bir kadın geldiğinde yalnızca şişmiş karınlarını düşünürüm-o karınlara ne olduğunu…" diye kafa yoruyordu. Onların acılarının çocukları Pakistan'a mı aitti yoksa Hindistan'a mı? Ve bu kadınların dokuz aylık yüklerinin bedelini kim ödeyecekti, Pakistan mı yoksa Hindistan mı? (Jalal, 2017: 148)

Saadat Hasan Manto'nun Öykülerinde Kadın Karakterler

Manto, 1932 yılında babasını kaybetmiş, bu durum kendisini evin geçimini sağlayacak bir otoriteye dönüştürmüştür(Şahbaz ve Büyükbahçeci, 2023:87). Bütün bu yaşadıkları 1936 yılında *Inqilab pasand (Devrimci)* adlı öyküye yansımış, burada sistemi eleştiren Selim karakteri üzerinden mevcut sistemle ilgili tüm çarpıklıkları adeta haykırmıştır. Selim sıradan bir hayat yaşayan lise öğrencisiyken babasının ani ölümüyle içsel bir yolculuğa çıkmış, kendi içinde sistemle kavgası başlamıştır. Tüm bu

süreç sonunda da kendini devrimci olarak tanımlamıştır. Oysa içinde yaşadığı toplum Selim'i deli olarak tanımlamakta üstelik akıl hastanesine kapatmaktadır. Bu öyküde kadın karakter bulunmamasına rağmen Manto, Selim aracılığıyla mevcut düzeni eleştirirken yine Selim'in ağzından şu sözlerle mağdur olmuş kadınlara da dikkat çekmektedir:

"Mevcut düzenin ne anlama geldiğini biliyor musunuz? İnsanların sineleri cehaletle dolsun, insanlık onurunun gemisi şehvet dalgalarında sürüklensin, namusu zorla kirletilen kızlar ticaret eyvanında alenen kendilerini satmaya mecbur bırakılsın, yoksulların kanı emilip yanmış kül gibi hak ile yeksan edilsinler… Ah! Keşke tanık olduğum şeyleri siz de görebilseydiniz. Mezar misali barakalarda yaşamın nefesini tamamlayan birçok kişi var. Gözler önünde ölümle burun buruna yaşayan insanlar var. Henüz on iki yaşında namusunu satmaya başlayıp yirmi yaşında kabrin soğukluğuyla sarmalanan genç kızlar var." (Manto, 2023: 118)

Bu satırlardan da anlaşıldığı gibi içinde kadın karakter olmayan öykülerde bile Manto kadınların mağduriyetini mutlaka yüksek sesle dillendirmektedir.

1942 yılında yayınladığı *Kali Shalwar (Siyah Şalvar)* adlı öykünün kahramanı Sultana bir hayat kadınıdır ve öyküdeki erkek karakter Huda Bahş'ın yükünü de omuzlamış güçlü bir kadın karakterdir. Manto evinin balkonuna çıkıp karşıdaki tren istasyonunu izleyen Sultana'yı içsel bir yolculuğa çıkarırken yine satır arasında da olsa aslında mağduriyete uğramış kadınların var olmak için kendi içlerinde olan güce şöyle vurgu yapmaktadır:

…Sonra zaman zaman bir lokomotifin hareketlenip bıraktığı bir vagonu görünce kendisini düşünürdü, kendisinin de yaşam yolunda birisi tarafından itilip bırakıldığını ve kendi kendine yola devam ettiğini. Bilinmez nereye… Gün gelecek o itiş gücü yavaş yavaş tükenecek ve o hiç bilmediği bir yerlerde duracaktı. (Manto, 2023: 73)

Thanda Ghosht (*Buzdan da Öte*) adlı öyküsünün arka planında yine Müslüman-Hindu-Sih çatışması ve tecavüz olayı yer almaktadır. Manto öykünün kadın kahramanı Kalvant Kaur için tutkulu bir âşık profili çizer. Kalvant Kaur sevdiği adam olan Eşir Singh'in kendisine karşı ilgisiz davranmasının sebebinin hayatında bir başka kadın olduğunu düşünmektedir. Bir anlık kıskançlık krizi sonucu sevgilisinin Müslümanları öldürdüğü kirpan [1]ile onun boğazını kesmiştir. Eşir Singh'in kendi anlatımıyla bu öyküdeki tecavüz olayını şu satırlardan çıkarmaktayız:

Eşir Singh bıyıklarına biriken kanı üfleyerek uzaklaştırdıktan sonra, "O evde… Hırsızlık yaptığım evde… Onda… Yedi… Onda yedi kişi vardı… Altısını öldürdüm… Senin beni… O kirpanla… Neyse, boş ver onu… Dinle… Bir kız vardı… Çok güzeldi… Onu yanıma alıp evden çıktım…(Manto, 2023: 43)

[1] Sih inancına göre Sih erkeklerinin yanında bulundurmaları gereken bir tür kama.

Khul Do (Açıver) adlı öyküde de yine bir tecavüz hikâyesi yer almaktadır. Siraceddin Amritsar'dan trenle Lahor'a giderken tren içinde bulunan pek çok Müslüman yolcu Hindu ve Sihler tarafından öldürülür. Siraceddin gözünü Lahor'da bir mülteci kampında açar ancak kızı Sakina yanında değildir. Ne kadar arasa da onu bulamaz. Kampta bulunan sekiz gönüllü gençten kızını bulmaları konusunda yardım ister. Bu gençler Sakina'yı bulurlar ancak her biri tecavüz ettikten sonra kızı tren raylarına atmışlardır. Manto Sakina aracılığıyla kadının sadece sınırın diğer tarafında değil aynı sınır içinde bile nasıl mağdur edildiğini anlatmaktadır(Soydan, 2018: 233).

"Muzeil" ve "Hatak" Adlı Öykülerde Kadın Karakterler

Muzeil adlı öyküde Tirloçan isimli Sih bir gencin özgür ruhlu Yahudi bir kadın olan Muzeil'e aşkı, Muzeil'in sıradışı davranışları, Tirloçan'ı evlenmek üzereyken terk etmesi ve yıllar sonra tekrar karşılaştıklarında Muzeil tarafından Tirloçan'ın nişanlısı Kirpal Kaur'un Hindu-Müslüman ve Sih çatışmasından oluşan toplumsal bir katliamın ortasında Müslüman erkeklerden oluşan bir çetenin elinden kurtarılmasını konu almaktadır.

Muzeil, Hindu-Müslüman ve Sih çatışmasına vahşi bir Müslüman grubun arasında kalan iki Sih Tirloçan ve Kirpal Kaur'un hayatını hem çatışma halinde olan dinlerden birine mensup olmadığı yani Yahudi olduğu hem de ahlaki değer ölçütleri toplumla bağdaşmayan bir kadın olduğu için kurtarabilmiştir. Başlangıçta Muzeil'e âşık olan Tirloçan, evlenecekleri gün Muzeil'in kendisini terk edip gitmesi üzerine ondan vazgeçer. Bunun üzerine, kendisi gibi dindar bir Sih olan Kirpal Kaur'a tutulur ve onunla nişanlanır.

Manto Kirpal Kaur ve Mozail'in karakterlerini tam bir zıtlık içinde sunar. Kirpal Kaur'u *"Sıradan Sih köylü kızlarına kıyasla teni açık renkti. Beyaz, pamuk gibi… Bedeni merserize kumaşın yüzeyi gibi parlaktı. Son derece utangaçtı." (Manto, 2023: 47*) sözleriyle tanımlarken Tirloçan için *"Kahverengi saçları hiç tarak görmemiş gibi karmakarışıktı. Kenarlara taşmış ruju pıhtılaşmış kan gibi dudaklarına yapışmıştı. Yakası açık, uzun beyaz bir kaftan giymişti. Açık yakadan mavi damarlı iri göğüslerinin neredeyse dörtte üçü görünüyordu." (Manto, 2023: 48)* sözleriyle tanımlamaktadır. Dolayısıyla Muzeil, bedenini çekinmeden sergileyen, asla topluma ait olamayacak, dik başlı bir kadını temsil ederken, Kirpal Kaur dindar, itaatkâr, uysal bir kadın ve eş olmaya uygun biri olarak toplumun kadına biçtiği rollerin tümüne sahip ideal bir kadını temsil etmektedir. Kirpal Kaur bir Sih olarak yaşadığı Müslüman mahallesinde risk altındaki topluluklardan birine mensupken, Muzeil o dönem Hindistan'da çatışma halinde olan üç din ve inancın dışında bir dine mensup olarak daha rahat hareket edebilmektedir. Zaten mizaç olarak da esnek bir yapıdadır. İdeal bir kadın imgesi olan Kirpal Kaur

toplumsal şiddet karşısında çaresizken -zira bir Sih olarak Müslümanların öfkesi ile karşı karşıyadır-, kaba bir kadın olan Muzeil rahat davranışlarıyla durumu manipüle edebilmektedir. Sokağa çıkma yasağının olduğu bir ortamda Tirloçan'ı nişanlısı Kirpal Kaur'u Müslümanların elinden kurtarmak için ikna ederek, kendi hayatını riske atma pahasına başka bir kadını kurtarmak için korkusuzca dışarı çıkabilmektedir. Öyküde Muzeil'e yalnızca sıra dışı bir kadın olarak değil, aynı zamanda çatışma halindeki hiçbir dini gruba bağlı olmayan biri olarak da farklı bir misyon yüklenmektedir. Nitekim dinler arasındaki düşmanca etkileşimlerin dışında yer alması onu, onları çevreleyen toplumsal nefretten büyük ölçüde korumaktadır.

Öykünün başında evlenme arifesinde Tirloçan'ı ve yaşadığı şehri terk eden Muzeil aylar sonra geri döndüğünde Tirloçan'ın yeni bulduğu aşkı ve nişanlısı Kirpal Kaur'un din merkezli yaşanmakta olan toplumsal isyanlarda yaşadığı mahallede tehlikede olduğunu öğrenince Tirloçan'ı neden nişanlısını kurtarmak için bir şey yapmadığı için azarlar. Sokağa çıkma yasağı vardır ve bu Tirloçan'ı nişanlısını kurtarmaya gitmekten alıkoymaktadır. Muzeil ise kararlı bir şekilde Tirloçan'ı ikna eder ve birlikte Kirpal Kaur'un ailesinin yaşadığı mahalleye giderler. Baştan çıkarıcı davranışları ve Yahudi olması nedeniyle bir polis memurunu ve Tirloçan'ı öldürmek üzere olan Müslüman bir isyancıyı savuşturmayı başarır. Kirpal Kaur'un evine vardıklarında üst katta anne ve babasının çığlıklarını duyarlar. Kaybedecek zamanı olmayan Muzeil kendi kıyafetlerini Kirpal Kaur'a giydirir ve böylece onu Sih görüntüsünden kurtarır. Sih kadınlarının kıyafetleriyle bağdaşmayan, o yakası paçası açık, cesur kıyafet altında onu Yahudi sanacaklarından emindir.

Sonunda Kirpal Kaur kaçmayı başarırken, Muzeil Müslüman isyancıların dikkatini dağıtmaya çalışırken ölür. Böylece aslında toplum normlarına uymayan ve toplum tarafından dışlanmış bir kadın olan Muzeil, Tirloçan ve ideal kadın olan Kirpal Kaur'un hayatını kurtarır. Manto bu öyküde Muzeil gibi bir karakterin hikâyesi aracılığıyla bu tarz sıra dışı kadınların aynı zamanda toplumun gözünde sahip oldukları insanlık dışı konumu da bozmaya çalışır ve Muzeil'i masum bir kadını kurtardığı için adeta kahramanlaştırır.

Hatak (Hakaret) adlı öykü sefalet koşullarında yaşamasına rağmen bir müşterisinin kendini aşağılayan tavrıyla gururu kırılan ve içsel bir yolculuğa çıkan hayat kadını Sugandhi'yi konu almaktadır. Sugandhi son beş yılını şehrin ileri gelen erkeklerine hizmet ederek geçirmiştir. Manto öykünün başında Sugandhi'nin sefalet dolu odasını inceden inceye tasvir eder:

Bir sürü ıvır zıvırın gelişigüzel yerleştirildiği odası çok küçüktü. Yatağın altında birkaç çift eski terlik vardı. Terliklerin üzerinde uyuz bir köpek ağzını dayamış uyuyordu ve uykusunda görünmeyen bir şeye suratını buruşturuyordu…

Bir tarafta duvara monte edilmiş, makyaj malzemelerinin durduğu küçük bir raf vardı. Üzerinde yanaklarına sürdüğü allık, kırmızı ruj, pudra, tarak ve muhtemelen saçına taktığı metal tokalar vardı. Hemen yanındaki uzun çivide, içinde kafasını kanadının altına almış uyuyan yeşil bir papağanın olduğu bir kafes asılıydı. Kafesin içi çürük portakal kabukları ve olgunlaşmamış guava parçalarıyla doluydu. Bu kokmuş meyve artıklarının üzerinde küçük siyah sinekler ve güveler uçuşuyordu.

Yatağın yanı başında sürekli baş yaslandığı için sırtı kirlenmiş bir sandalye duruyordu. Sandalyenin sağ tarafında üzerinde His Master Voice marka portatif gramofon bulunan zarif bir sehpa vardı. Gramofonun üzerine serili siyah örtü berbat durumdaydı. Sehpanın dışında odanın dört bir köşesine paslı iğneler saçılmıştı. Sehpanın dayalı olduğu duvarda, dört farklı adamın fotoğraflarının olduğu dört çerçeve asılıydı (Manto, 2023: 83-84).

Sugandhi aslında iç dünyasında yalnızdır ve Manto Sugandhi'nin yalnızlığını şu sözlerle aktarmaktadır:

Her gece yeni ya da eski bir müşterisi ona ilan-ı aşk eder, Sugandhi bunların düpedüz yalan olduğunu bilse de gene de mest olur, bu sözlere inanmak isterdi. Aşk! Ne güzel bir kelimeydi. Onu eritip tüm vücuduna sürebilmeyi ve bütün gözeneklerine nüfuz etmesini isterdi. Küçülüp içine girebilmeyi ve kendini onun içinde sarıp sarmalamayı dilerdi. Bazen sevme ve sevilme duygusu o kadar ağır basardı ki yanındaki erkeği kucağına alıp okşamak ve ninnilerle onu uyutmak isterdi (Manto, 2023: 87-88*).*

İşte bu yalnızlık duygusuyla gönlünü başka bir şehirde yaşayan, kendini subay olarak tanıtan ve aslında Sugandhi'nin sırtından geçinen Madhu'ya kaptırmıştır ya da belki de kaptırmak istemiştir. Sugandhi'ye sahip çıkacağını söyleyen Madhu Sugandhi'ye bu işi bırakmasını ve kendisine ayda on rupi para göndereceğini vadetmiş ama bunu hiçbir zaman yerine getirmemiştir. Üstelik ayda bir Sugandhi'nin yanına uğrayıp aslında bu ilişkiden kendisi fayda sağlamaktadır. Manto ikili arasındaki ilişkiyi şu sözlerle anlatır:

Ne Madhu Pune'den para göndermiş ne de Sugandhi çalışmayı bırakmıştı. İkisi de neyin ne olduğunun farkındaydı. Sugandhi hiçbir zaman Madhu'ya "Ne saçmalayıp duruyorsun? Bugüne kadar bir kuruş para mı gönderdin?" dememişti. Madhu da Sugandhi'ye "Hiç para göndermediğim halde nereden geliyor bu değirmenin suyu?" diye sormamıştı. İkisi de sahtekârdı. İkisi de bir yalanı yaşıyordu. Fakat Sugandhi mutluydu. Gerçek altını bulamayan sahtesine de razı olur.(Manto, 2023: 90)

Bir gece müşterisinin Sugandi'nin yüzünü görür görmez kendini aşağılayıcı bir şekilde "ıyy" demesi Sugandhi'nin iç dünyasını tepetaklak eder. Aslında o gece hiç çalışmak istememesine rağmen eşi vefat ettiği için beş parasız ortada kalan ve kızıyla beraber memleketine gidecek parası dahi olmayan komşusuna yol parası verebilmek için işe çıkmıştır. Ama bu maruz kaldığı hakaret onu derinden yaralamış, varoluşsal

bir yolculuğa çıkarmıştır. Böylece hayatında bile bile yaşadığı yalanlarla yüzleşmiş hakarete uğradığı gece yanına gelen Madhu'yu da o aşağılayarak hayatından çıkarmıştır.

Manto bu öyküde bir hayat kadının yalnızlığını ve aslında sevmeye ve sevilmeye ne kadar muhtaç olduğunu göstermektedir. Sevme ve sevilme duygusu Sugandhi'yi Madhu ile yalan olduğunu bildiği ve kendisinin mağdur edildiği bir ilişkiye sürüklemiştir. İlişkilerinin başlangıcı ve Sugandhi'nin Madhu'dan neden etkilendiği öyküde şu şekilde anlatılır:

Bugüne kadar hiç kimse odasındaki kokuşmuş giysilere, sürahinin tozuna ya da müstehcen resimlere dikkat etmemişti. Kimse ona yuva yapması gereken bir evi olduğunu da hissettirmemişti. Adamlar gelirler, çarşafın kirli mi temiz mi olduğunu bile fark etmeden giderlerdi. Hiç kimse ona, "Bugün burnun ne kadar da kızarmış. Sakın nezle falan olmayasın. Dur da sana bir ilaç getireyim," dememişti. Oysa Madhu ne kadar da iyiydi. Her söylediği kesinlikle doğruydu. Asla gerçek olmayan bir şey konuşmadı. Böylece Sugandhi ona ihtiyacı olduğunu hissetmeye başladı ve ilişkileri ilerledi. (Manto, 2023: 89)

Manto yukarıdaki satırlarda Sugandhi'nin yalnızlığını ve aslında bu yalnızlık duygusundan kurtulmak için kendisini önemsediğini düşündüğü Madhu'yu hayatına dahil edişini okuyucuya çok net bir şekilde hissettirmektedir. En çok psikolojik tahlile yer verdiği öykülerinden olan Hatak'ta Sugandhi'nin fiziki koşullarına ve Sugandhi'nin içsel yolculuğuna dair verdiği detaylar okuyucunun Sugandhi'ye sempati duymasına sebep olur.

Sonuç

Hindistan'ın bölünmesi, toplumun her kesiminden insanı derinden etkilemiştir. Başka milletlerin yaptığı ya da maruz kaldığı savaş ve katliamlarda olduğu gibi Hindistan'ın bölünme sürecinde de en çok etkilenen kadınlar olmuştur. Nitekim kadınlar sadece katledilmemiş, birçoğu cinsel şiddete maruz kalmıştır. Saadat Hasan Manto kimsenin yüksek sesle dillendiremediği bu gerçeği öykülerinde ele almış, öyküleri aracılığıyla kadınların sessiz çığlığını duyurmaya çalışmıştır. Pek çok öyküsünde kadın karakter düşkün ama bir o kadar da mağrurdur. Özellikle Muzeil ve Sugandhi karakterleri bunun en belirgin örneğidir. Sugandhi yaşadığı bu sahipsizlik ve kimsesizlik içinde bile başka bir kadının kimsesi olmaya çalışmakta aslında belki de komşu kadına ve kızına yardım ederek onları kendisinin de içinde bulunduğu çirkin dünyadan korumak istemektedir. Aslında Sugandhi de Muzeil de dışarıdan güçlü görünen iki kadın karakterdir. Düşkün ama güçlüdürler. Onurlu, başka kadınların hayata tutunabilmesi için canını bile verebilen ve aynı zamanda hayatlarındaki erkeklerin yükünü omuzlamış kadınlardır. Manto bu iki kadın karakteri de okuyucuya öyle bir yansıtır ki sonunda iki kadın da adeta kahraman ilan

edilir. Sadece bu iki öyküde değil, kadınları konu aldığı pek çok öyküsünde tecavüze uğradığı için ya da bedenini satmak zorunda olduğu için toplum dışına itilen, ötekileştirilmiş kadınların iç dünyalarında neler yaşadıklarını okuyucuya hissettirerek toplumda bir anlamda bu kadınlara ve yaşadıklarına karşı farkındalık uyandırmaktadır.

KAYNAKÇA

Çakmakçı, Mehmet Kemal (2023). "Caliyanvala Bağ Hadisesinin Saadat Hasan Manto'nun 1919 Kî Ek Bât ve Temaşa Adlı Öyküleri Bağlamında İncelenmesi". *Şarkiyat Mecmuası*, sy. 43.

Görgün, Hatice (2023). "Alt kıtada İngiliz Hâkimiyeti, Edebi Akımlar ve Fesadat Dönemi Yazarlarından Kudretullah Şahab". *Şarkiyat Mecmuası*, sy.43.

Görgün, Hatice (2022). "Pakistan ve Türkiye İlişkilerinin Gelişiminde Hindistan Hilafet Hareketinin Etkileri". *Doğu Araştırmaları*, C. 2, sy. 26.

İşsever, Muhsin Ramazan (2024). "Hindistan'dan Doğu ve Batı Pakistan'a Göç Eden Biharlı Göçmenlerin Yaşadığı Zorlukların Urdu Edebiyatına Yansımaları", *Göç, Kültür ve Tarih*, Editör: Zeynel Ünlü, Emrullah Akcan, Emrah Berkant Patoğlu, Çanakkale: Paradigma Akademi

İşsever, Muhsin Ramazan (2024). Doğu ve Batı Pakistan'ın Ayrılışının Urdu Edebiyatına Yansımaları. İstanbul: Ravza Akademi

Jalal, Ayşe (2017). *Bölünmenin Acısı (Hindistan-Pakistan Ayrılığı Ekseninde Manto'nun Hayatı ve Eserleri* çev: Burak Demiryakan. İstanbul: Zoom Kitap.

Manto, Saadat Hasan (2024). *Toba Tek Singh, Öyküler* (çev: Arzu Çiftsüren). İstanbul: Metis Yayınları.

Özcan, Asuman Belen (2012). *Doğu Kültüründe Anlatı Geleneği: Urdu Nesri*. Ankara: HDY Yayınları.

Soydan, Celal (2018). *Göç Öyküleri*, Ankara: Hece Yayınları.

Şahbaz, Davut ve Büyükbahçeci, Esra (2023). "Saadat Hasan Manto'nun "Sahay" ve Khushwant Singh'in "Pakistan Treni" Adlı Eserlerinde Bölünmenin Acıları", *Türkiye'de Pakistan Çalışmaları*, Yayına Hazırlayanlar: A. Merthan Dündar, Davut Şahbaz. Ankara: Ankara Üniversitesi Yayınları.

Ankara Üniversitesi
Dil ve Tarih-Coğrafya Fakültesi
Doğu Dilleri Dergisi / Journal of Oriental Languages

Cilt/Volume: X Sayı/Number: I Nisan/April: 2025

MERHUME VALİDEM ANISINA İSİMLİ ŞİİR IŞIĞINDA ALLAME MUHAMMED İKBAL'DE ANNE SEVGİSİ

Recep DURGUN*

Öz

Anne dünyanın tüm medeniyetlerinde insanı dünyaya getiren bir varlık olarak kutsal bir yere sahiptir. Dünyaya gelen bebeğin hayatta kalması için zaruri maddi ihtiyaçlarının yanı sıra manevi olarak gelişimi, eğitimi ve terbiyesi alanlarında da en büyük rol annenindir. Zira çocuğun bu dünyadaki ilk öğretmeni annesidir. Öyle ki çocuk pek çok şeyi annesini taklit ederek öğrenir. Çocuğun karakter oluşumunda en önemli görev yine anneye düşmektedir. İnsanın hayatının en değerli varlığı olan anne ve ona karşı duyulan sevgi üzerine pek şarkı, şiir, hikâye, roman vb. gibi edebi eserler kaleme alınmıştır. Urdu edebiyatında da anne sevgisi ve annelik üzerine pek çok edebi eseri görmekteyiz. Bunlardan biri de Pakistan'ın ünlü şairi, mütefekkiri ve filozofu Allama Muhammed İkbal'in annesinin ölümü üzerine yazdığı "Merhume Validem Anısına" isimli şiiridir. Şiirde İkbal annesinin ölümü üzerine duyduğu üzüntüyü etkili bir biçimde dile getirmiştir. İkbal eserinde annesinin hayatının neresinde olduğunu, kaybı üzerine duyduğu derin hüznü ancak kader karşısında sabretmekten başka çaresi olmadığını dile getirir ve şiirini annesi için ettiği hayır dualarla bitirir. Bu çalışmada "Merhume Validem Anısına" isimli şiirin tematik incelemesi yapılarak Muhammed İkbal'in annesine karşı hisleri felsefi ve duygusal açıdan incelenmeye çalışılmıştır.

Anahtar Kelimeler

Allame Muhammed İkba
Anne sevgisi Urdu şiiri

Makale Hakkında

Gönderim Tarihi: 20.03.2025
Kabul Tarihi:26.03.2025
E-Yayın Tarihi: 27.04.2025

MOTHER LOVE IN ALLAME MUHAMMAD IQBAL IN THE LIGHT OF THE POEM TITLED IN MEMORY OF MY DECEASED MOTHER

Abstract

The mother has a sacred place in all civilizations of the world as an entity that brings human beings into the world. In addition to the essential material needs of the baby to survive, the mother plays the biggest role in the spiritual development, education and upbringing of the baby. Because the first teacher of the child in this world is the mother. So much so that the child learns many things by imitating his mother. The most important role in the character formation of the child falls to the mother. Many literary works such as songs,

Keywords

Allama Mohammad Iqbal
Love of Mother,
Urdu poetry

Article Info

Received: 20.03.2025
Accepted: 26.03.2025
E-Published:27.04.2025

*Prof. Dr., Selçuk Üniversitesi, Edebiyat Fakültesi, Urdu Dili ve Edebiyatı Bölümü, durgun@selcuk.edu.tr. ORCID: 0000-0001-9305-0637. DOI: 10.61134/audodilder.1662045.

poems, stories, novels, etc. have been written about the mother, who is the most valuable asset of human life, and the love for her. In Urdu literature, we see many literary works on mother love and motherhood. One of them is the poem "In Memory of My Deceased Mother" written by the famous poet, thinker and philosopher of Pakistan, Allama Muhammad Iqbal on the death of his mother. In the poem, Iqbal effectively expressed his sorrow over the death of his mother. In his work, Iqbal expresses where his mother was in his life, his deep sorrow over her loss, but he has no choice but to be patient in the face of fate, and ends his poem with his blessings for his mother. In this study, the thematic analysis of the poem titled "In Memory of My Deceased Mother" will be made and Muhammad Iqbal's feelings towards his mother will be analyzed philosophically and emotionally.

Allame Muhammed İkbal Urdu dilinde kaleme aldığı bazı şiirlerinde kadınlar hakkındaki düşüncelerini ifade etmiştir. "Bang-i Dara" da İkbal "Fatma binti Abdullah" ve "Valide-i Merhume ki Yad min" adıyla iki şiir yazmıştır. Buna ilaveten kadınlarla ilgili üç rubai de vardır. "Darb-ı Kelim"de dokuz şiirden oluşan kadın başlıklı bir bölüm bulunur. "Armağan-ı Hicaz" da Duhteran-ı Millet adı altında sekiz rubai vardır. "Rumuz-u Behudi" de üç başlık bu amaçla yazılmıştır. Batıda eğitim görmüş İkbal kadınların eğitimi için makaleler de yazmıştır (Cebin, 2018: 105). Soydan'a göre İkbal, "kadını annelik vasfını öne plana çıkararak yüceltir" (2003: 60). "İkbâl'e göre milletin teşekkülü için analara tazîm ve hürmet şarttır. Annelerin çektikleri acılar toplumun benliğini kuvvetlendirir. Dünyanın değeri para, kumaş, altın veya gümüşle, onun değeri sıhhatli taze ve kudretli dimağlara sahip çalışkan, cevval ve çevik evlatların yetiştirilmesiyle ölçülür" (Kılıç, 2016: 529). Dolayısıyla İkbal, eserlerinde kadınlara yer verirken annelik vasfına diğer statülerden daha fazla önem verir.

Kadınların en büyük payesi anneliktir. Bütün kâinatta anne merhameti ve şefkati örnek, fedakarlıkta sınır tanımayan, karşılıksız seven ve samimiyeti sorgulanamaz eşsiz varlıktır. İslam dini anneye çok önem verir. Anneye karşı itaat ve iyi davranma zorunluluğu ayet ve hadislerle sabittir. Allahü Teala Kur'an-ı Kerim'de şöyle buyurur: "İnsana, anne ve babasına iyi davranmasını emrettik. Annesi onu zahmete katlanarak taşıdı ve zorluk çekerek doğurdu. Karnında taşıması ve sütten kesmesinin süresi otuz aydır. Nihayet çocuk olgunluğuna ulaşıp kırk yaşına girince şöyle yakarır: "Rabbim! Bana ve anne babama lütfettiğin nimete şükretmeye, razı olacağın işleri yapmaya beni muvaffak kıl. Benden gelecek nesli hayırlı eyle. Dönüp kapına başvurdum ve ben şüphesiz sana boyun eğenlerdenim!"(Ahkaf Suresi, 15). Hz. Peygamber (s.a.v.) bir kişinin iyilik yapacaksa buna en başta annesinden başlaması

gerektiğini ayrıca "cennetin annelerin ayakları altında" olduğunu belirterek annelerin makamını en üst derecelere koyar: "İbn Câhime (r.a,) bir gün Hz. Peygamber'e (s.a.v.) geldi ve: "Ey Allah'ın Resulü, ben gazveye (cihad) katılmak istiyorum, bu konuda sizinle istişare etmeye geldim" dedi. Resûlullah (s.a.v.): "Annen var mı? (hayatta mı?)" diye sordu. "Evet" deyince, "Öyleyse ondan ayrılma, zira cennet onun ayağının altındadır" buyurdu. (Nesâî, *Cihâd,* 25). Muhammed İkbal bu hadisi Rumuz-u Behodi isimli eserinde şu şekilde ifade eder:

گفت آں مقصود حرف کن فکان زیر پائے
امہات آمد جنان

(Rumuz-u Behodi, s. 104)

Kun fe yekun lafzının anlamı şudur de *Cennet annelerin ayakları altındadır.*

Anne sevgisi gibi anne konusu da edebiyatın daimî konuları arasındadır. Her dönemin kalem ehli anne konusunu el almış ve alacak ve her dönemi okuyucusu anneyle ilgili yazılanları zevkle okumuş ve okumaya devam edecektir. Urdu edebiyatında anne ve annelik üzerine yazılmış pek çok eser vardır. Dr. Keptın Gulam Server Şeyh, Urdu edebiyatında anne üzerine yazılmış şiirleri bir araya getirdiği "Zikr-i Man" isimli bir kitap yayımlamıştır. Şeyh kitabının önsözünde "anne sevgisi gibi anne konusu da edebiyatın devamlı konuları arasındadır, her dönemin kalem ehli çalışmalarında annelerine bağlılığını dile getireceklerdir" (2004: 7). Şeyh kitabına pek çok şairin annesine yazdığı şiirlere yer vermiştir. Bu şiirlerin en önemlilerinden biri de Allama Muhammed İkbal'in annesinin ölümü üzerine yazdığı mersiyesi olmasıdır.

Anne, insanı dünyaya getiren, besleyip büyüten ve ilk öğretmeni olan kutsal bir varlıktır. Dünyanın tüm medeniyetlerinde doğal olarak anne saygın bir yere sahiptir. Çocuğun ilk öğretmeni ve insani değerlerin kazanılmasında en büyük rolün sahibidir. Dolayısıyla tüm edebiyatlarda anneye dair pek çok öykü, roman ve şiirler kaleme alınmıştır. Pakistan'ın milli şairi, mütefekkir ve filozof Muhammed İkbal'in annesi Macide Hanım'ın ölümü üzerine kaleme aldığı "valide-i merhum ki yad min" adlı mersiye tarzında yazılmış uzunca bir şiirdir. Mevlâna Gulam Resul Mühr bu mersiyenin hem biçim hem de fikri olarak diğer mersiyelerinden tamamen farklı olduğunu belirtir (t.y.: 393) Şiir Prof. Dr. Celal Soydan tarafından Muhammed İkbal'in Bang-i Dara isimli eserinin çevirisi kapsamında Türkçe'ye "Merhume Validem Anısına" adıyla tercüme edilmiştir.

Muhammed İkbal'in ev ortamında kendisine Beci denilen annesi Macide Hanım, okuryazar olmamasına rağmen, becerikli, emanete sahip çıkan, anlayışlı, adaletli biriydi. Ev ve mahalledeki anlaşmazlık ve tartışmalarda arabuluculuk yaparak

karar verir, mahallenin kadınları mücevherler gibi değerli eşyalarını ona emanet ederdi. O vefalı bir eş ve örnek bir anneydi. Aşirette herhangi bir konuda anlaşmazlık olması halinde Macide Hanım hakem yapılır ve kararına saygı gösterilirdi. Dindar bir kadın olan İkbal'in annesi eşi Şeyh Nur Muhammed'in memuriyetten elde ettiği paranın helalliği konusunda şüphe duymuş ve buradan kazanılan parayı İkbal'e yedirmemiştir. Eşinin bu hassasiyetinden dolayı Şeyh Nur Muhammed bir süre sonra memuriyeti bırakmıştır. Çocuğun bu dünyadaki ilk öğretmeni olan annenin her yönden evladını iyi yetiştirmesi toplumun gelişmesi için büyük bir zarurettir (Hayat, 28 Mart 2021). Muhammed İkbal de geldiği noktayı annesine borçlu olduğunu şu dizelerle ifade eder.

دفتر ہستی میں تھی زرین ورق تیری حیات
تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات
Yaşamın varlık kitabında altın bir sayfa idi
Hayatın, din ve dünya için ibret abidesiydi(çev: Celal Soydan, s. 268).

İkbal'in annesinin ölümü üzerine yazdığı şiirde sadece annesine karşı duyguları yoktur. Bu uzun şiiri incelediğimizde şiirin hem duygusal hem de felsefi iki yönünün bulunduğunu görürüz. Şiirin felsefi boyutunda hayat ve ölüm felsefesi, kader ve mecburiyet gibi İslam akide ve tasavvufuna dair görüşler vardır. "İlk iki bentte felsefe ve hikmet bakış açısıyla kâinatın düzeni beyan edilir. Bu kâinatın her bir zerresinin üzerine kader kilidi vardır, yani her bir şey Allahü Teâlâ'nın mukarrer kıldığı düzene bağlıdır. Buna biz kader deriz ancak aslında bu tavsif mecburiyet ve çaresizliğin bir perdesidir. Gökyüzü de mecburdur, güneş, ay ve yıldızlar da mecburdur. Yeryüzü ve içindekiler de mecburdur." (Mehr, t.y.: 401) Bu durumun bilincinde olan İkbal eserine ölümün insanın sevdiklerini acı bir şekilde koparmasını kadere bağlayarak ve bu mecburiyet karşısında insanın çaresizliği vurgulayarak başlar:

ذرہ ذرہ دہر کا زندانی تقدیر ہے
پردہ مجبوری و پیچارگی تدبیر ہے
آسمان مجبور ہے، شمس و قمر مجبور ہیں
انجم سیماب پا رفتار پر مجبور ہیں
Kader hapsine mahkûm evrendeki her zerre
Önlem bir perdedir, çaresizlik ve mecburiyete.
Gök mecbur, güneş mecbur, ay da mecbur
Şu cıva gibi yıldızlar da kaymaya mecbur.(çev: Celal Soydan, s. 266)

Bu mısralarda güneş, ay ve yıldızların kısacası her şeyin yaratılışın mecburi kanunlarına boyun eğmiş kendi görevlerini ifade ettikleri anlatılır. İkbal'in bu dizeleri determinist bir bakış açısıyla kaleme aldığını söylemek yanlış olmayacaktır. Burada İkbal için bütün kâinat ve içindekiler "takdire mahkûm" gözükür. İlk kıtada mecbur ya da mecburi kelimesi sıklıkla kullanarak annesini ölümüne gösterdiği duygusal tepki ve insanın eylem özgürlüğü düşüncesinin sınırlı olduğuna işaret eder. İkbal "sembollerin yerini, zamanını, biçimini ve taşıdıkları özellikleri şiirinde anlatma istediği amaç doğrultusunda kullanır" (Kuyumcu, 2011: 79).

Şiirin duygusal yönünde Muhammed İkbal'in annesinin vefatından ardından dile getirdiği acıklı duygular öne çıkar. Annesiyle hatıraları ve onun ölümü üzerine gösterdiği tepki odaklı dizeler göze çarpar. Şiirin bu bölümünde İkbal annesiyle olan bağını etkili bir biçimde dile getirir ve bu kaybın telafisinin mümkün olmadığını vurgular:

کس کو اب ہوگا وطن میں آہ میرا انتظار
کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بے قرار
خاک مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا

Ah! Artık kimim var beklesin benim memleketimde?
Kim endişelensin artık, mektubum gelmediğinde?

Mezarının başına hep şu feryatla gelirim:
Gece yarısı dualarında artık kimin aklına gelirim?(çev: Celal Soydan, 268)

İlk dizelerde Muhammed İkbal her ne kadar ölümün mukadder kaçınılmaz mecburiyet olduğunu ifade etse de annesinin kaybının ardından feryat figan etmekten kendini alıkoyamamıştır. Muhammed İkbal, annesinin vefatı üzerine duyduğu üzüntüyü Maharaca Keşn Perşad'a 23 Kasım 1914 tarihinde yazdığı mektubunda şöyle ifade eder: "Bu hadise kalbimde ve aklımda çok büyük değişimler meydana getirdi. Benim dünya işlerine ilgim ve dünyada kalma arzum sadece merhumenin nefesine bağlıydı. Şimdi ölümü bekler bir haldeyim. Dünyada ölüm bütün insanlara ulaşır. Bazen de insanlar ölüme ulaşır. Kalbimin mevcut haline bakılırsa ölüm bana ulaşmada. Acaba ben ona nasıl ulaşabilirim." (Sahife İkbal Number, 1973: 132'den aktaran: Fetihpuri, 2019). Nasıl ki insan akıttığı gözyaşıyla rahatlar, hafiflerse İkbal de yazdığı mısralarla kendisini teskine çalışır. Muhammed İkbal gibi bir büyük bir mütefekkir dahi annesinin ölümü karşısından kendisine adeta bir çocuk gibi hisseder.

عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی
وہ جواں قامت میں ہے جو صورت سرو بلند
تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مند

Senin sevgin ömrüm boyu hep hizmetimde
Göçüp gittin, hizmet edecek halde geldiğimde

O genç ki boylu poslu servi ağacı gibi,
Sana hizmette benden fazla nasiplendi (çev: Celal Soydan, 268)

Muhammed İkbal annesini anarak onunla ilgili geçmiş hatıralar ve olayları yansıtır. Bu dizelerde 1905-1908 yılları arasında yükseköğretim için Avrupa'ya gittiği dönem ve bu dönemde annesinin geceleri kalkıp kendisinin sağ salim ülkesine dönmesi için yaptığı duaları ve daima İkbal'in mektupları beklediğini ifade eder. Aslında İkbal burada yükseköğretimini de annesine borçlu olduğunu ifade eder ve tam kendisinin annesine hizmet etme çağında onu kaybetmenin üzüntüsünü aksettirir. Ağabeyinin annesine kendisinden daha çok hizmet imkânı bulduğunu ifade ederek adeta ona gıpta eder.

Muhammed İkbal'in gözünden bakarsak kadının makamının çok yüksek olduğunu görürüz. İkbal kadına özel bir açıdan bakar, ona göre kadının kutsallığı onun anne statüsünün altında gizlidir. İkbal bu hakikatin sırrına derin felsefi mütalaalardan sonra ulaşmıştır. Ancak onun hayat hikâyesine vakıf olanlar daha hayatının başında annesinin yüceliği ve bilgeliğinin farkına vardığını bilirler. Çocukluğunda muhterem annesinin mümine hayatı ve yüce karakteri yol göstericisi olmuş ve kişiliğinin oluşumunda büyük katkı sağlamıştır. Annesinin kalbine ektiği sevgi tohumunu şöyle dile getirir:

تخم جس کا تو ہماری کشت جاں میں بو گئی
شرکت غم سے وہ الفت اور محکم ہو گئی

Öyle bir tohum ekip gittin ki can tarlamıza
Daha da pekişti o sevgi, ortak olunca acımıza (çev: Soydan, 269)

Şiirde İkbal, ulaştığı makamı muhtereme validesine borçlu olduğunu annesinin hem bu dünya hayatı için hem de ahiret için kendisine en iyi örneklerden biri olduğuna işaret eder.

Muhammed İkbal muhterem validesinin ölümü üzerine kaleme aldığı mersiyenin başında ölümün kaçınılmaz son olduğunu, insanın kader ve mecburiyete arasındaki yolculuğunu, kâinattaki varlıkların her birinin kendilerine verilen görevi ifa ettiklerini ifadeden sonra annesiyle ilgili hatıraları aktarır. Ardından yine hayat ve ölüm felsefesi üzerine fikirlerini ifade eder. Şiirin bitiş kısmında ise düşünce tekrar anneye yönelir. Başlangıçta şair annesinin bu dünyadan göçmesinin ardından duyduğu huzursuzluk, ıstırap ve üzüntüyü ifade ederken annesini çok seven üzüntülü bir çocuğun derdini ve hüznünü beyan eder. Ancak hayat ve ölüm felsefesi üzerine mütalaalardan sonra şair, kâmil bir Müslümanın çıkarabileceği sonuca ulaşır. İkbal annesinin ayrılığının derdini ve kederini kendi kişiliğiyle öyle özdeşleştirmiştir ki ayrılık artık onun için kutsal ve temiz bir hal almıştır (Fetihpuri, 2019). Artık teskin olmuş İkbal şiiri annesine dua ile bitirir:

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا
آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

Seher aydınlığı gibi mezarın parlak olsun!
Topraktaki bu istirahat yerin nurla dolsun!

Gökyüzü kabrine çiyle yağdırsın!
Taze bitkiler evine bekçilik yapsın! (çev: Celal Soydan, 274).

Sonuç

Allama Muhammed İkbal'in annesinin ölümü üzerine yazdığı mersiye biçiminde "Merhume Validem Anısına" adlı şiir, sadece bir annenin ölümü üzerine yazılmış bir ağıt değildir. Şiirde anne kaybı üzerine duyulan üzüntü, anne ile yaşanmış hatıralar, anneye duanın yanı sıra kâinat, kader ve cebir sorgulaması da vardır. Şiiri bütün olarak ele aldığımızda iki farklı yönünün olduğunu görürüz. Bunlardan birincisi duygusal yön yani Allame Muhammed İkbal'in annesinin vefatı üzerine dile getirdiği duygular. İkincisi ise felsefi yöndür. Felsefi boyutta İkbal, kader ve cebir sorgulaması, ölüm ve hayat sorgulaması, insanın azimeti gibi konular üzerinde durur.

KAYNAKÇA

Cebin, Nusret (2018). Fikr-i İkbal ki Asri Maneviyyet Hvatiyn ke Havale se. Urdu ResearchJournal. S.16, s. 103-110).

Fetihpuri, Ferman (2019). Valide Merhume ki Yad min: Tevzih u Tenkidi Mutalaa. (https://khayyalnama.com/tanqeed/والده - مرحومہ-کی -یاد- میں- توضیح- و – تنقی erişim tarihi: 01.01.2024

Hayat, Kevser (2021). Avrat kaKirdaraur İkbal ka Fikri Nazriya. Qindeelonline. (https://qindeelonline.com/aurat-ka-kirdar-aur-iqbal-ka-fikri-naaariya-kausar-hayat/) erişim tarihi: 16.04.2024

İkbal, Muhammed (1914). Rumuz-e Behodi. Lahor: Union Steam Press.

İkbal, Muhammed (2013). Hareket Zili. Çev: Celal Soydan. Ankara: Hece Yayınları.

Kılıç, Cevdet (2016). "Muhammed İkbal". Doğudan Batıya Düşüncenin Serüveni IX içinde. Editör: Bayram Ali Çetinkaya. İstanbul: İnsan Yayınları. s. 485-534.

Kuyumcu, Hakan (2011). Çocuk ve Genç İkbal' in Şiir Dünyasında. *Tarihin Peşinde.* S: 5, s. 71-88.

Mehr, Mevlana Gulam Resul, (t.y.), Metalib-i Kelam-ı İkbal Urdu. Lahor: Şeyh Gulam Ali and Sons Ltd. Publisher.

Soydan Celal (2003). İkbal Felsefesinde Kadının Yeri. Nüsha Dergisi, S.9, s. 54-66

Sünen-i Nesai, http://www.islamilimleri.com/Ktphn/Kitablar/05/005/Turkce/Kitab.htm (erişim tarihi: 16.09.2024)

Şeyh, Keptın Gulam Server Şeyh (2004). Zikr-i Man. Lahor: Sara Server Publishers.

Ankara Üniversitesi
Dil ve Tarih-Coğrafya Fakültesi
Doğu Dilleri Dergisi / Journal of Oriental Languages

Cilt/Volume: X Sayı/Number: I Nisan/April: 2025

PORTRAYAL OF A WOMAN IN *THE WEARY GENARATIONS:* AZRA

Aykut KİŞMİR*

Abstract

This study discusses the dominance of the female identity of Azra, the main female character of the award-winning Urdu novel Udaas Naslain (1963), over the male characters in the novel and the dominant female mission that the author assigns to the character. Azra, who marries Naim, a poor villager and a veteran of the First World War, comes to the forefront as a strong woman who is sensitive to her environment, empowers the society and supports her circle with positive approach in the period from the First World War to the partition of India. In 1947, the Indian subcontinent was partitioned and became home to two large countries, India and Pakistan. Following this division, the national identities of people in the Indian Subcontinent were categorized as Pakistani and Indian. This political separation and the prominence of national differences had negative effects on the societies of both countries, such as division and migration. Abdullah Hussein is one of the most important first generation writers of Pakistan who wrote about these negative effects. The first novel of the author discussed in this article was published in Pakistan in 1963 in Urdu under the title Udaas Naslain. The novel was deemed worthy of the Adamjee Award in 1964 by many literary critics and critics, the most prestigious literary award in Pakistan. The English version of the novel was reintroduced to readers in 1999 under the title The Weary Generations by the author himself, and then translated into many languages around the world. In 2009, it was translated into Turkish under the title Yorgun Nesiller. Written in a realistic style, this novel reflects the traumatic events that took place before and after the partition and the lives of the people who witnessed them.

Keywords

Wome
Novel
Urdu
Pakistan
Abdullah Hussein

Article Info

Received: 24.03.2025
Accepted: 01.04.2025
E-Published:27.04.2025

* Doç. Dr. Ankara Üniversitesi, Dil ve Tarih-Coğrafya Fakültesi, Doğu Dilleri ve Edebiyatları Bölümü, Urdu Dili ve Edebiyatı Anabilim Dalı, Türkiye. kismir@ankara.edu.tr. Orcid: 0000-0003-3686-9229. DOI: 10.61134/audodilder.1664159.

YORGUN NESİLLER'DE BİR KADIN TASVİRİ: AZRA

Öz

Bu çalışmada Çağdaş Urdu edebiyatında Yorgun Nesiller (1963) romanının ana kadın karakteri Azra örneğinde toplumun siyasi ve sosyo-kültürel olaylarının yansımaları irdelenmiştir. Ana karakterin metinde diğer erkek karakterler üzerindeki baskınlığı bağlamında göç öncesi ve sonrası olaylar kronolojik bir biçimde anlatılır. Birinci Dünya Savaşı gazisi fakir bir köylü olan Naim ile evlenen Azra, çevresine duyarlı, topluma güç veren, pozitif yaklaşımıyla Hindistan'ın bağımsızlık mücadelesinde güçlü bir kadın olarak ön plana çıkmaktadır. 1947 yılında Hint Yarımadası bölünerek ayrışmış, Hindistan ve Pakistan adıyla kurulan iki büyük ülkeye ev sahipliği yapmaya başlamıştır. Bu ayrışma sonrasında Hindistan Alt-Kıtası'nda kişilerin ulusal kimlikleri Pakistanlı ve Hindistanlı olarak sınıflandırılmıştır. Bu siyasi ayrışma ve ulus farklılığının ön plana çıkması her iki ülke toplumun üzerinde bölünme ve göç gibi olumsuz etkiler bırakmıştır. Abdullah Hüseyin de bu olumsuzlukları kaleme alan Pakistan'ın en önemli birinci kuşak yazarlarından biridir. Bu makalede ele alınan yazarın ilk romanı 1963 yılında Pakistan'da Urdu dilinde Udas Naslain, adıyla okuyucu ile buluşmuştur. Roman, pek çok edebiyatçı ve eleştirmen tarafından 1964 yılında Pakistan'ın en saygın edebiyat ödülü kabul edilen Adamji Ödülü'ne layık görülmüştür. Romanın İngilizcesi bizzat yazarının kaleminden 1999 yılında The Weary Generations adıyla okuyucu ile yeniden buluşturulmuş daha sonra da dünyada pek çok dile çevrilmiştir. 2009 yılında da Yorgun Nesiller adıyla Türkçeye çevirisi kazandırılmıştır. Gerçekçi üslupla kaleme alınan bu romanda bölünme öncesi ve sonrasında meydana gelen travmatik olaylar ve bunlara tanık olan insanların yaşamları yansıtılmaktadır.

Anahtar Kelimeler

Kadın Roman Urdu
Pakistan
Abdullah Hüseyin

Makale Hakkında

Gönderim Tarihi:
24.03.2025
Kabul Tarihi:
01.04.2025
E-Yayın Tarihi:
27.04.2025

The Weary Generations is one of the most important literary works of Urdu literature, offering an in-depth look at social problems, individual turmoil and issues of cultural identity. The novel deals with the inner conflicts of people in a particular period, the changes in society and its effects on individuals. This novel traces the significant changes in the social and cultural structure of Pakistan and emphasizes the effects of these changes on individuals. The novel deals with the transformation of a generation, the ways of coping with social pressures and the damage these pressures cause on individual identity. The characters' interactions with each other and their incompatibility with society deepen their loneliness. This loneliness is both a personal and social phenomenon.

The character of Azra in *The Weary Generations* remains very dominant and strong psychology. Her character depicts self-confidence throughout the novel. Her marriage with Naim also becomes possible with her bold way of talking. Azra, daughter of a powerful feudal lord Roshan Agha, is raised and in Roshan Lodge and got good education. "Azra, who is the daughter of Nawab Ghulam Mohyyeddin Khan

(Roshan Agha), is shown as a strong woman who chooses Naeem as her husband by going against her father. *This upheaval shook the house built by Roshan Ali Khan of Rohtak. every means was employed to contain it, family and friends were all arrayed against the headstrong woman*" (Sadaf Afreen, Mishal Asif, Ifra Kainat, Wajid Riaz:1180). However, her husband Naim is from poor social and economic background. He hasn't got good education and his intellect is also poor. His father is a farmer and remains in prison for long time while Naim is raised and educated by his uncle. Naim is a young man from common social class whose information and viewpoint about life along with desires and thoughts also testify his middle class background. Azra's journey is a pivotal part of the narrative in *The Weary Generations*. Her struggles, her emotional conflicts, and her journey toward healing are integral to the themes of the novel. She explores the emotional and psychological trauma of partition, the disillusionment faced by many, and the slow, painful process of rebuilding one's life after such a catastrophic event. Azra's character shows the internal struggles of women who lived through the partition and its aftermath. Her strength, resilience, and unwavering loyalty to her family and community make her a central figure in Hussein's narrative. Her evolution from a young girl affected by war and partition to a woman dealing with its long-term consequences underscores the central theme of the novel: the weariness and sorrow of a generation that bore the heavy burdens of history.

Obtaining independence from British rule, the Indian subcontinent was divided in August, 1947 into two independent countries of Pakistan and India. In this way, Indian Sub-Continent achieves its independence along with division into two countries. Thus, humanity witnessed an important political event happened in 1947. Abdullah Hussein is generally known for his in-depth exploration of the dark and complex aspects of human nature. The India-Pakistan divide (1947) and the human tragedies in this process are particularly prevalent in his novels. The psychological depth and moral conflicts we see in characters he chooses are also felt in his works. Hussein's characters are generally individuals who are considered "extra-ordinary" by society, and his style of narration has a sense of internal conflict and reality. In this respect, Abdullah Hussein's style of narration shows a clear affinity to psychological and existential themes.

The connection between history and a novel like *The Weary Generations* is a rich and deep one, where historical events influence the characters, plot, and themes of the narrative. A historical novel often intertwines personal experiences with the broader historical context, offering readers an insight into how real-world events impact individuals and society. In *The Weary Generations,* the connection between history and the novel is essential in understanding the emotional and social impact of partition.

The historical event becomes a critical force that shapes the lives, experiences, and identities of the characters. Through the lens of personal stories, the novel conveys how history is not just about what happened in the past, but how it continues to affect individuals and communities, creating long-lasting consequences. In this way, the novel humanizes history, making it relatable and emotionally resonant for readers.

It is important to recall the famous accusation of Stendhal that "*a novel is a mirror carried along a high road"* (Ecevit, 2001: 23). The same is true for Abdullah Hussein. Here, the author pens down the novel by using his experiences and observations of various branches of art and literature according to the story of the novel. He can reflect his feelings, thoughts, experiences and desires through literature. "The novelist investigating the history emphasizes on the historical knowledge of leaders and mutual effort of large masses in determination of internal and external elements of historical facts and formation" (Kula, 2016: 159). Orhan Pamuk says, "Novels are like spending another life"(Pamuk, 2016: 9). In fact, the novel is a comprehensive type of literature in which every human-specific subject can be described, therefore, the authors have to deal with large extent of plots including sociological, psychological, social and many other disciplines. Twentieth century South Asia with its various forgotten or overlooked histories and memories offers for a rich spatio-temporal field for nostalgia to play out (Noor, 2020:371). The early Indian novel took on the task of reviving a glorious past to counter colonial attacks on Indian culture, or alternatively, to reshape Indian society in response to colonial criticism (Shandilya, 2017:35). This novel comprises of the important events from first world war till the partition of Subcontinent. Besides, the novel also shed light on different scenarios of Indian Subcontinent before partition. The author narrates the varying social and economic conditions of Indian Sub-continent.

In general, it is striking that unique features are attributed to women in the author's novels. For example, it cannot be predicted what Azra will do next, where she will go and what she will say. Abdullah Hussein perceives the public as a mass of middle class and below. Most of them are poor people. Among them are peddlers, porters, maids, petty civil servants, factory workers, grocers, dishwashers, painters, postmen, drivers, blacksmiths, electricians, furniture makers, policemen, etc. is found. For some reason, women do not come to mind in these occupational groups. Is the woman not included in the ring? (Javed Aqeeela 2005:242).

Every new trend in literature brings new concepts and understandings, which further strengthens literature. The development of the genre of the novel varies according to the ideas and developments of the literature. In Urdu literature, we can say that the influence of literary movements is felt faster and more intense than usual.

In some periods, literature may reflect the tendencies of thought of that period because there is a close relationship between literature and society. On the other side, it can be argued that the literary works produced by the ideologists are limited in terms of attracting readers.

The language used by the writer is different from the old, fancy and hard-to-understand style that is very approachable by literate people. The novels and literary work of the author emphasized on the problems associated with training and socialization along with provision of social awareness to the society particularly to women. This topic also serves as a model for the next generation authors.

Azra comes to the fore with her courage. It is seen in the novel that Azra speaks confidently at all times. For example, Azra's marriage to Naim takes place with Azra's courage. Azra is the daughter of a powerful landlord. She is well educated, she married with Naim despite the opposition of her family because Azra plays the role of strong women in the society with strong self and will in the novel. It is very true to say that Naim's interest in politics is actually based on Azra. In other words, Azra is actually the one who brought Naim to the forefront in the political events in the novel. Azra's participation in India's struggle for independence does not mean that she was alike millions of idealists or activists, who, like their contemporaries, dedicated and devoted their lives and wealth to the liberty of India. Muzaffar Iqbal says about Azra's wish to be active in Indian politics at that time as:

She is a representative of the bourgeois class which has only one goal: personal glory. Her participation in the Independence Movement is devoid of any commitment. She wants to get her pictures published in the newspapers. Her family likes to 'discuss politics' in the drawing room in a philosophical way. They are true examples of philistinism. Their ideals and goals come from the colonial masters (Iqbal, 1993: 34).

This is particularly clear with regard to development policies, which tend to institutionalize men's access to the state, while marginalizing women's access, which continues to be negotiated, to a greater or lesser extent, through their husbands (Moore 1991:184). It is felt like power of thousands of women is concentrated in the strong female characters in the novels of Abdullah Hussein. Therefore, in his novels women are not seen as simple and common entity. Azra is not like a common woman for Naim. Azra, has a dominant character that is characterized by her fascinated beauty, coy, coquettish, wiggling, educated, cultured, and even a bit cheeky role. Naim considered herself superior than him due to this dominant role of Azra in the novel. Thus Naim admire Azra's strong character while developing inside feelings of envy against her.

Naim's step brother Ali is also given separate attention and discussed in detail in the novel. It is important to note that the story of novel that is started and developed on the characters of Azra and Naim is ended up with the characters of Ali and Aysha.

Ali is fifteen years younger step brother of Naim. His character has two important qualities that are worth mentioning here. First, his love with Aysha and second, his envy with Naim. Ali spent most of his life except child hood years outside of Roshan Pur in a factory located in Shanti Nagar, a faraway town, remaining unaware of the troubles that are faced by Naim.

Ali's stay at Shanti Nagar that is far away from his village looks like a meaningless self-exile. There are many other young men who are also in same conditions as of Ali. The author has shed light on problems faced by thousands of villagers of the Indian Subcontinent of that era by role of Ali and troubles he faced. In this context, it is not a coincidence that the Ali and his beloved wife Aisha share the same fate. The author has pointed out that the problems faced by poor people in Indian Subcontinent are not only affecting those individuals but the dependents and social environment of those people are also being affected.

It is also observed that in background of story of Ali and Aysha, the novel has another important aspect. The author has revealed the destructive effects of industrialization in Indian Subcontinent in background while talking about the story of Ali and Aysha.

Although women have important and valuable role in Pakistan and Turkey but men never like inferior position against them in any aspect of life. If woman is beautiful and is superior over man in terms of education and culture, then man's domination over women in marriage is limited. Again, Azra's role in the novel looks like complementary to men's shortcomings.

Abdullah Hussein has criticized the society for downgrading the role of women in their education and brought up. Therefore, he has shown Azra and other women having more mental abilities than men in the novel. However, the women of the novel are left half way by the men as it happens in real life. Women characters in the novel other than Azra include Azra's aunt Shila, Naim's mother, Ali's mother and Banu.

In the first pages of novel the authors has used the technique of traditional story telling. The story narrative of novel starts from an imaginary village Roshan Pur within vicinity of state of Delhi soon after the incidents following War of Independence in 1857. Village is always present in the back ground of events mentioned in novel like, Roshan Ali's winning of award, Construction of Roshan House, Imprisonment of Naim's father, recruitment of soldiers for First World War, Feudal Law of 1914, Imprisonment of Naim, Ali's movement away from village, Partition, Migration,

Camps and start of new life. 'Village' in Weary Generations (Udas Naslain) has become an important motive for Abdullah Hussein. Village, that is used as significant place, plays important role in describing various events at the start and end of the novel. Naim lived in the village for some time after the release of his father from imprisonment. Naim did not feel any problem in adjustment to the village life despite his brought up in the city with his uncle. The author changed the role of Naim at once and he is seen as a common villager riding horse and working in the fields. However, Naim's life would not be continued for long as peaceful and happy. Against the recruitment of villagers in the army for war, the author expressed his response in these words:

Roshan Agha's word was a law. Inside of two hours, sixteen young men were enlisted. The visitors, including Roshan Agha, left tje village with eighteen fresh soldiers. Women wept, old men's chests fell in several layers, young girls lost all sense of tomorrow (Hussein, 1999:85).

Naim participated in Royal Indian Army of British during First World War He was sent to different parts of world on war fronts like thousands of other Indians after completion of short training. The author has analyzed the first World War in different perspective by Naim where impacts of war on individuals is given more importance than states and armies. The author expressed negative impact of the war as follows:

Niaz Beg kept himself locked in the storeroom for a day and a night. When he emerged the next afternoon, the terror of the previous day had given way to a vacancy in his eyes that had spread out to cover his whole face, like the Vista of an empty, barren field.

Naim gone? He asked

The old woman, sitting by the hearth, looked back at him with vast, desert like eyes without answering. Niaz Beg cautiously approached the wall of the adjoining house and called out, 'Hussein gone?'

'Gone,' his neighbour replied from the other side of the wall.

'Who else?'

No reply came from across the wall. (Hussein, 1999:85)

The novel describes the killing of ordinary villagers who are forcibly recruited in the army as being the victims of brutal colonial rule. It is observed that Naim and thousands of other villagers were becoming mentally disturbed by fighting in war that was unrelated to them far away from their countries, villages, homes, homelands and women in despair exile on one hand and pain of conscience on killing the innocent people on other. Abdullah Hussein has adopted a unique style in depicting the forced recruitment of villagers. Mahinder Singh and Naim are continuing their talk:

Although supporting his weight on hands placed on either side of him on the stone, Mahinder Singh looked slumped, his back in the shape of a bow, his shoulders fallen, as if his body had taken on a different form.

'Tell me,' Mahinder Singh asked suddenly, 'why we here?'

'Because of the war,' Naim said. 'The enemy has attacked.'

'What, attacked our village?'

'Attacked the British sarkar and their friends.'

'What is it to us?'

'They are our masters.'

'Our master is Roshan Agha,' Mahinder Singh said simply.

'Yes, and the English Sarkar is Roshan Agha's masters.'

A brief hollow sound emerged from Mahinder Singh's mouth. 'How many masters do we have?' (Hussein, 1999:117).

These characters are enlightened in war and start to stand out due to their ability to navigate the complexities of societal expectations, familial pressures, and personal ambitions. They will often rebel against traditional norms and values after this. If they can return home alive after the war, they may reject forced marriages, societal roles, or family pressures, and choose their own path, which may be unconventional or seen as bold. The same is very similar for women, but women's visibility in society was much more limited at that time. Azra is also one of the rare heroic female characters who has gained visibility in society with her courage.

Conclusion

Azra is an important female character because she reflects the evolving role of women in Pakistani society and challenge traditional depictions of passive, subordinate female characters in literature. She inspires readers to question societal norms and push for change. Azra is a complex and multifaceted character in *The Weary Generations.* She embodies the resilience of a generation that survived partition and its aftermath. Her emotional strength, loyalty, and struggles reflect the broader social and political issues of the time, and through her, the novel portrays the profound human cost of historical events. On August 14, 1947, with the establishment of Pakistan, the national identities of intellectuals in Urdu literature changed as Pakistani and Indian. The influence of literary movements was also reshaped according to the political and national structure of the Sub-Continent. Abdullah Hussein, one of the most important first-generation writers of Pakistan after 1947. He appeared on the literary scene in 1963 with his first novel "*Udaas Naslain*" which by the dint of its theme, representation,

characterization and lucid style of writing. Proved to be his "magnum opus." The original piece of art was written in Urdu language under the name *"Udaas Naslain"* which, the author himself translated in English entitled "The Weary Generations". It is one of the most important novels in Urdu language. The fluency in style and depiction of fascinating characters by Abdullah Hussein have made this piece of work appreciable and significant in the eyes of critics. This novel comprises of the important events from first world war till the partition of Subcontinent. Besides, the novel also shed light on different scenarios of Indian Subcontinent before partition. The author narrates the varying social and economic conditions of Indian Sub-continent. Azra is a complex and multifaceted character in *The Weary Generations.* She embodies the resilience of a generation that survived partition and its aftermath. Her emotional strength, loyalty, and struggles reflect the broader social and political issues of the time, and through her, the novel portrays the profound human cost of historical events. She presents an important problematic of confronting the past and its effects on the present. Other main characters of the novel are a generation shaped by memories of the past, traumas and losses. The role of male and female characters in society and their relationships with each other is also an important theme in the novel. The partition is the central historical event that drives the plot and shapes the experiences of the characters. In the novel, the trauma, displacement, and violence of partition directly affect the protagonist and other characters. The historical event serves as a backdrop against which personal and collective stories unfold. The writer focuses on the personal and emotional aftermath of the partition, which involved the division of British India into two independent nations—India and Pakistan. This historical event caused mass migration, communal violence, loss of homes, and the disintegration of established social structures. He depicts through Azra and her family's experience the devastating effects of the partition, which shapes their relationships and their outlook on life.

WORKS CITED

Ecevit, Yıldız. (2001). Türk Romanında Postmodernist Açılımlar. İstanbul: İletişim Yayınları.

Hussein, Abdullah. (1999). The Weary Generations. Lahore: Sang-e Meel Publications.

Iqbal, Muzaffar. (1993). Abdullah Hussein The Chronicler of Sad Generations. Islamabad: Leo Books.

Javed, Aqeela. (2005). Urdu Novel Min Tanisiyyet. Multan: Bahauddin Zakariya University Publications.

Kula, Onur, Bilge. (2016). Yazınsal Yapıt ve Ahmet Ümit Nasıl Okunabilir? İstanbul: Everest.

Moore, L. Henrietta. (1991). Feminism and Anthropology. Padstow, Cornwall: Polity Press.

Noor, Farha. (2021). Negotiating Nostalgia: Progressive Women's Memoirs in Urdu. South Asian History and Culture, 12:4, 371-384.

Pamuk, Orhan. (2016). Saf ve Düşünceli Romancı. Istanbul: Yapı Kredi Yayınları.

Sadaf Afreen, Mishal Asif, Ifra Kainat, Wajid Riaz. (2023). Hegemonic Masculinity: A Generational Issue In The Pre And Post-Historic Document Of Partition The Weary Generations By Abdullah Hussein. Journal Of Archaeology Of Egypt/Egyptology 20(1), 1171-1183.

Shandilya, Krupa. (2017). Intimate Relations: Social Reform and the Late Nineteenth-Century South Asian Novel. Evanston, Illinois: Northwestern University Press.

Ankara Üniversitesi
Dil ve Tarih-Coğrafya Fakültesi
Doğu Dilleri Dergisi / Journal of Oriental Languages

Cilt/Volume: X Sayı/Number: I Nisan/April: 2025

LOVERS IN SEARCH OF FREEDOM: ALDA MERINI; PARVEEN SHAKIR

Davut ŞAHBAZ*
Angelica D'ALESSANDRİ*

Abstract
Alda Merini and Parveen Shakir can be described as two female poets who were born in two different geographies, grew up in diverse cultures, gained variant life experiences, were kneaded with different pains but carry the happiness and pains of the same feeling in their hearts; Love. Alda Merini, as one of the leading female poets of Italy, brought the theme of love, which she addressed, together with the reader with a protestant attitude and in this respect, revealed the combative aspect of love. Parveen Shakir, on the other hand, made a balm out of the sprout of love that sprouted amidst impossibilities, which she added to the dough of the land she was born in, and managed to become hope for women in Pakistan. This article focuses on the way two different languages and two different names process love in the same language and tries to present a literary analysis of the life stories of two combative women.

Keywords
Alda Merini
Parveen Shakir
Love
Freedom
Female Identity

Article Info
Received: 24.03.2025
Accepted: 03.04.2025
E-Published:27.04.2025

ÖZGÜRLÜĞÜN PEŞINDE AŞIKLAR: ALDA MERINI; PARVEEN SHAKIR

Öz
Alda Merini ve Pervin Şakir iki farklı coğrafyada doğmuş, farklı kültürlerde yetişmiş, farklı yaşam tecrübeleri edinmiş, farklı acılarla yoğrulmuş ama kalplerinde aynı hissin mutluluklarını ve sancılarını taşıyan iki kadın şair olarak nitelenebilir; "Aşkın". Alda Merini İtalya'nın önde gelen kadın şairlerinden biri olarak ele aldığı aşk temasını, protestan bir tavırla okuyucuyla buluşturmuş ve bu yönüyle aşkın mücadeleci yönünü açığa çıkarmıştır. Pervin

Anahtar Kelimeler
Alda Merini
Parveen Şakir
Aşk
Özgürlük
Kadın Kimliği

Makale Hakkında

*Assoc. Prof. Dr. Ankara University, Faculty of Language and History-Geography, Department of Eastern Languages and Literatures, Sub-Department of Urdu, dsahbaz@ankara.edu.tr, ORCID: 0000-0002-0236-2908. DOI: 10.61134/audodilder.1664184.
* English Teacher, Journalist, Researcher, Author, Rome, Italy, *frungyf@yahoo.it.*
DOI: 10.61134/audodilder.1664184.

Şakir ise, doğmuş olduğu toprakların hamuruna kattığı acıklı bir yaşam öyküsüne, olanaksızlıklar arasında yeşeren aşk filizini merhem yapmış ve Pakistan'daki kadınlara, umud olmayı başarmıştır. Bu makale, farklı kültürlerde varolmuş iki farklı ismin, aşkı aynı dilde işleyişine odaklanmakta ve iki mücadeleci kadının yaşam öyküsüne edebi bir analiz sunmaya çalışmaktadır.

Gönderim Tarihi:
24.03.2025
Kabul Tarihi:
03.04.2025
E-Yayın Tarihi:
27.04.2025

Alda Merini was born on March 21, 1931, as the newest member of the family of Nemo Merini and Emilia Painelli. She lived during the Second World War and was forced to hide with her family during the bombing. Unfortunately, her parents didn't support her career, but as she grew up, her passion for poetry grew with her. She attended the Istituto Laura Solera Mantegazza, and she tried to pass the entry exam for the Liceo Manzoni, but ironically, she didn't pass the Italian language test. However, her teacher recognized her value as a poet, and she sent her first poem to Giacinto Spagnoletti. She was also noted by Salvatore Quasimodo and Eugenio Montale. In 1947, she spent a month in the mental health clinic Villa Turro in Milan, where she was also diagnosed with bipolar disorder. She wrote about this experience in "L'altra verità, diario di una diversa" (*The other Truth. Diary of a Misfit*), published in 1986. In this period, she was also very close to Giorgio Manganelli and Luciano Erba.

In 1950 she published her first poems in "Antologia della poesia italiana contemporanea 1909-1949" (*Anthology of Contemporary Italian Poetry)*, and in 1951, under the advice of Eugenio Montale, the editor Giovanni Scheiwiller decided to publish other poems of Alda Merini in "Poetesse del '900" (*Women poets from 1900)*.

In 1953, she married Ettore Carniti, and she published "La presenza di Orfeo" (*The Presence of Orpheus)*, "Paura di Dio" (*Fear of God*, 1955) and "Nozze romane" (*Roman Wedding*). In these years, she also gave birth to her four daughters, and she dedicated a poem, "Tu sei Pietro" (*You are Pietro*) to her pediatrician. Unfortunately, due to a dispute with her husband, in these periods, she was sent to another mental health clinic Paolo Pini, from 1964 to 1972.

In 1979 she wrote "La Terra Santa" (*Holy Land)*, and she won the prize Premio Librex Montale in 1993. She struggled to publish her works due to the death of her husband, until she met the editor Vanni Scheiwiller, who helped her publish "La Terra Santa" in 1984. In the same year she married the poet Michele Pierri, who deeply appreciated her poems. She moved to Taranto with him and in 1985 she wrote a collection of twenty poems "La gazza ladra" (*The Thieving Magpie*) and "Vuoto d'amore" (*Empty Love*). In these years her husband Michele Pierri was diagnosed with a terminal illness, unfortunately after his death her sons decided to send her again to a mental health hospital. After her release she was treated by the psichiatryst Marcella Rizzo, thanks to whom Alda Merini finally reached a state of serenity and peace of mind. In

this period, she published Fogli bianchi (*White sheets of paper*, 1987), La volpe e il sipario (*The Fox and the Curtain*, 1997) and Testamento (*Testament*, 1988).

In 1989 she started her life again in Milan, she used to spend time at the Chimera café, and there she wrote Delirio amoroso (*Love Delirium*, 1989) and Il tormento delle figure (*The Figure's Torment*, 1990). In 1991 she published Le parole di Alda Merini (*The Words of Alda Merini*), Ipotenusa d'amore (*Hypothene of Love*, 1992), Aforismi (*Aphorisms*, with photographs by Giuliano Grittini, 1993) La palude di Manganelli o il monarca del re (*The Manganelli Swamp or the King's Monarch*, 1993) and Titano amori intorno (*Titan's Loves Around*, 1993). After winning the Premio Librex Montale for poetry, she became famous amongst Italian poets and is now considered at the same level of Attilio Luci, Franco Fortini and Andrea Zanzotto. In 2007 she won the Elsa Morante Ragazzi prize, with the work "Alda e io - favole", (*Alda and me, Fairytales*) fables written in collaboration with Sabatino Scia. On 17 October 2007 she received an honorary degree in Theory of Communication and Language at the School of Educational Sciences at the University of Messina.

Alda Merini was one of the most influential figures of the 20th-century Italian literature. Her deep respect for poetry leads her to become an exceptional author. She dedicated her life to poetry as it was an important part of her life and helped her to live better. In an interview, she clearly stated that the poet is like a catalyst of cosmic energies, and the universe suggests the poet what to write.

We can find her temoignances in various books where she accompanies the reader in her reality, crude and alive as it is. These works are revived by her voice, which we can feel loud and clear through the descriptions of the events that will later leave a mark on her life. She was capable of perceiving with all her being, but this deep feeling of love wasn't always returned. She gave more than she received, and she cared the most for the important things in life, like kindness, respect and the search for truth and identity. As she stated in an interview with Tommaso Pedone ("Interview to Alda Merini", Tommaso Pedone, Italy, 2009 https://www.youtube.com/watch?v=oXF-cK7Yngo) she believed that people think too much about material things and therefore they can't see the true beauty of life, they miss the most important part of it. She died on November 1, 2009, in Milan.

Parveen Shakir was born on November 24, 1952, in Karachi, Pakistan. Parveen Shakir, who received her primary education in the institution called Rizviyah Colony in Karachi, continued her education at Rising Sun and Rizviyah Secondary Girls after graduating from this institution, since the British missionary school provided education until the fifth grade. Shakir, who completed her college education at Sir

Sayyid Girls College, started writing poetry during this period and wrote her first poems for the college's magazine. In her first year at college, she wrote a poem called Barsat, and Parveen Shakir clung to her work passionately and continued to write poetry, even though she was criticized by her father, who read it, and warned that she had no talent in this field and that she should not write poetry again. Her teacher, Irfanah Aziz, a poet in college, encouraged Parveen Shakir to write poetry and asked her to write a poem when Pakistan's liberation day, which was instrumental in the poet's first successful and serious poetry attempt, Subukh i Vatan:
The darkness suddenly disappeared. It has progressed and enlightened the hearts of slaves, the bright news of freedom!

In the following years, Parveen Shakir started to work in the radio and prepared a radio program called Kehkeshan. The poet, who won a two-year higher education program scholarship in 1968, wrote the English Language and Literature department with the guidance of her teacher and completed this program with second place. Parveen Shakir, who started teaching English at the Government Abdullah College for Women in 1973, continued this duty for nine years. During this period, her close friend Abdullah Alim sent Parveen Shakir's writings and poems to *Funun* magazine, which was published in Lahore and accepted as one of the important journals of Urdu literature, edited by Ahmad Nadim Qasmi, one of the most important writers and poets of Urdu literature. It was started to be published by Ahmad Nadim Qasmi. Her works published in *Funun* magazine brought fame to Parveen Shakir and she began to be characterized as an important poet for Pakistani and Urdu literature. Parveen Shakir married her aunt's son, Nasir Ali Sayyid, on October 14, 1976, and her son was born in 1979. After her education, Parveen Shakir started her professional life as assistant director of customs office and was later appointed as the secretary of the Central Board of State Revenue in Islamabad (Shabnam,2004:11). The poet, who ended her marriage in 1987, lived here with her son because of the rule that he must give her son to her husband if she marries again. The poet moved to America in 1987 and returned to Islamabad after a year. The poet was awarded the Faiz Ahmad Faiz Award, India's prestigious literary award, in 1989, and went to India to receive the award. Receiving an offer to teach at Hartford University of Connecticut, the poet accepted this task and moved to America. Parveen Shakir, who taught South Asian Literature at Hartford College for Women and Trinity College, went to Pakistan in 1991 for the award to be given to her by the Pakistani State, and after receiving the award, she returned to America to study at Cambridge Massachusset. Parveen Shakir, who received her master's degree in public relations titled "The Role of Media in the 1971 Pakistan-India War" from the John F. Kennedy School of Government, returned

after completing her education and was appointed as the director of the revenue office in Rawalpindi. She completed her MBA program from Harvard University in 1993. Parveen Shakir had a traffic accident in Islamabad and died on December 20, 1994.

Parveen Shakir is characterized as a poet who was influenced by the Romanticism movement and the progressive movement, which made important transformations in Urdu literature, and at the same time transferred her individual imagination and creativity to her poems. Love stands out as one of the main themes of Parveen Shakir. In her poems, separation and pain are a diet of pleasure and happiness from love. Parveen Shakir is also a poet of hope and despair. She questions her own self and position in herself and in others and forms the basis of her poetry on this ground. The lines "Where am I in your life? In the morning breeze? Or in the first stars of the night?"(Shakir, 2019: 111) stand out as an example of the poet's distinctive ability to make concepts such as love, pain, hope, despair, expectation and disappointment dance harmoniously in the same pot.

Especially in her work called *Khusboo*, she worked on love in all its dimensions and composed her poems with a romantic and realistic understanding. Especially the resentments, defeats, excitements and passions created by unrequited love in the individual stand out as the main themes used by the poet in her poems. While Parveen Shakir portrays love and the pain it produces in her poems with a realistic style, she ignores the boundaries drawn by the conservative society she lives in and draws new boundaries for herself with this new and brave style.

"In a similar fashion, the new women poets, including Shakir, have written on a range of experiences within marital love which no male poet ever wrote about in Urdu. Sexual intimacy; pregnancy; childbirth, infidelity; separation and divorce -these are topics that one would look for in vain in the books of contemporary male poets, not to mention their predecessor. To give one example, only due to these women poets we now have some fine poems, on the experience of being mother; sad to say,no male poet has yet written in Urdu a poem about being a father" (Bakht and Lavigne, 2004:11).

Although Parveen Shakir's main theme is love, she has not been one of the other romantics who have closed herself off to the pains of society. Another striking theme in Parveen Shakir's poetry is the pains caused by the coup periods in society and in the individual. Martial law was declared in Pakistan in 1957, 1969, 1977 and 1999, and the country was governed by military governments. The laws enacted in this period greatly restricted the rights and freedoms of the society, so poets and writers also got their share of these restrictions. The coup year that directly affected Parveen Shakir's

literary works. The coup led by Zia ul Haq was described as the coup that had the most profound impact on Pakistan's political history, and the decisions taken during this period shaped the present and future of the country to a large extent. Parveen Shakir, who lived in this period and experienced the pains of the coup period, described this period as a disaster and reflected the grief that this process created in her in her poems. The poet, who is observed to feel the responsibility of raising awareness of the people in her poems written for the coup period, also does not hesitate to criticize the people on the grounds that they did not resist this oppressive government. In this period, in which she presented the most precious examples of her socialist realist style, Parveen Shakir made themes such as freedom, justice, oppression, equality, rebellion the main themes of her poems, and in this way, she aimed to ensure that the people rebel against the oppressive government and regain a democratic identity. The poet was also enraged by politicians and other people who put their own interests before the interests of society by adapting to the corrupt administrative order and stated that such people corrupt the trust and merit-based structure of the country. One of the most important reasons for Parveen Shakir's adoption of the socialist realist style is that she was influenced by Ahmad Nadeem Qasmi's poetry style. The poet's nourishment from Ahmad Nadeem Qasmi's literary education gave her diversity and difference both in terms of style and theme. Aftab Ahmad finds out on this subject that Parveen Shakir often included romantic and aesthetic themes in her poems in her early poetic years, but she also opened her poems to the painful aspects of life due to the thorny webs that life brought before her (Tanveer, 2014:13). Parveen Shakir has published her works named 'Khushbuu', 'Sad-Rang', 'Khud-Kalami', Kaf e Aina and 'Inkar' and these works have been published in their entirety in the collection named Mah e Tamam.

Love in Parveen Shakir's Poems

The feeling of love, the fact that love exists as a taboo in the society in which she lives, and the uneasiness and disappointment caused by her sometimes not being able to find a response to her love, have been the source of Parveen Shakir's intense use of this theme in her poems. The poet was severely criticized by this conservative point of view, not only for the bold love concepts she embodied in her poetry, but also for her behaviour and thoughts in her real life. However, despite all these pressures, Parveen Shakir described love in a brave manner both in her life and in her verses and conveyed it to the readers.

In Parveen Shakir's poems, however, she chose to work on the sad aspect of love and developed a conception of love in which she generally formed the dough of separations rather than reunions. The poet also sees love as a freedom and believes

that conservative societies can be transformed with the rebellious and combative aspect of love (Shakir, 1997). Parveen Shakir opposes the structure of male-dominated societies that postpones love and strongly rejects the imposition system in which women play a passive role in love. Therefore, this aspect of Parveen Shakir is the source of many innovations that will produce significant gains in the social life of Pakistani women.

"No discussion of modern Urdu poetry is complete without the name of Parveen Shakir. She ranks not only among the top Urdu poets, both male and female, but is also one of three female poets who could be regarded as pioneers in defying tradition by expressing the 'female experience' in Urdu poetry" (Bakht and Lavigne, 2004:5)

"Parveen Shakir's experiences, loves, pains, defeats, rebellions, in short, herself, in this work, in which she describes bravely and sincerely, her emphasis on the unity of soul and body in women's love, has caused her to receive many negative criticisms. While some critics have evaluated the way she describes the feeling of love for men as disrespectful to women and damaging to their dignity, some critics have claimed that Shakir's poems are the spokesperson of Eastern women whose emotions are repressed" (Özcan ve Köycü,2003:154-155).

Despite her conservative society, Parveen Shakir has never avoided revealing her feelings and has suffered in many parts of her life because of this feature. Parveen Shakir deals with the theme of love in her poems, she fills this theme with sub-concepts that are also based on love, such as separation, loneliness, longing, disappointment, happiness, sexuality and reunion.

The night stands on the first threshold of loneliness;
Hands outstretched; it beckons me.
I wonder:
Should I take these hands
And, step by step
Descend into the basement of quiet,
Or stay in my room?
The moon knocks at my window! (Bakht and Lavigne, 2004:19).

When Parveen Shakir published her first book, Khusboo, she presented a new theme to the readers, which was perhaps not so boldly dealt with before in Urdu literature: Love.

Undoubtedly, love has been a theme used by many poets in their poems in previous periods. However, Parveen Shakir dealt with love in such a bold and

rebellious way that perhaps this theme took on its true meaning in Urdu literature with it. In Parveen Shakir's book Khusboo, lyricism is generally dominant, and poetry on social and political issues to which the poet is sensitive is as little as possible. In this book, the poet opened up her inner world to the reader and perhaps reflected her real and imaginary experiences to her poems with all their nakedness. Parveen Shakir's bold style is as sincere as possible. Because she did not calculate the reactions she might receive in the face of her obscene expressions, and she never adopted a dishonest tone. This new style, in which the theme of sexuality is used as a sub-concept of love, has received more praise than the reactions it has received.

In her poem The Heart's Laughter, Parveen Shakir presents a young girl's concepts of love, hope and despair that trigger or restrain each other in a way that creates deep feelings in the reader. This poem is also valuable in that it describes the despair and hope of a woman who has suffered moral betrayals:

The girl whose face always betrayed
her melancholy.
whose lips, if smiled even for courtesy's sake
it seemed her eyes would spill
if she continued to laugh for another second;
who came to college so punctually
that you could time your watch;
who kept aloof and never came out of her shell,
absorbed in the thought of friends
in yore and yesteryear
That grave, gloomy girl
Gave way to my persuasion
And accompanied us to the picnic.
I saw
She, too, was sitting in water
With the rest of the girls
She was also playing with waves
I cannot say what made her laugh
With the other girls
I watched and watched
Her face beamed, her teeth grinned, her lips smiled,
And with them twinkled her eyes (Hasani, Baig and Baig, 2010:6-8).

In the poem named Anniversary, Parveen Shakir deals with the first childlike excitement, the first passion created by love in individuals with a bold and romantic

style that defies conservatism. It is considered a turning point in Urdu poetry that a woman poet reflects such passionate concepts in her poetry and conveys them fearlessly in this environment where women are reluctant to even talk about love:

This was the day
When we had met
Four years ago
On this very lawn
under the cool shade of violet vines
The moment when our bodies
did get the first sensual experience
and taste of their existence;
our souls enjoyed their new golden births
To this day
That special moment
caresses our souls with its balmy hands
Still it makes our eyes glow
It makes our bodies glitter as yet
To that moment we will remain indebted.
Come, let's make a prayer in this auspicious moment!
Let's raise our hands and pray
with the deepest, utmost intensity of love:

Whenever the sun rises of the 26th of June, together shall we catch sight of it. (Hasani, Baig and Baig, 2010:15-16). Although Parveen Shakir is the poet of the seedlings of hope and freedom, sometimes in her poems, she often deals with the existential pains and fragile dreams that love or social problems create in the individual and pulls the reader into a pessimistic spiritual cycle (Tanveer,2014). In the verses below, Parveen Shakir conveys the selves of hope and despair, love and pain, joy and sorrow, reunion and separation, contrasting but triggering and nourishing each other, in a romantic style. The poem is also a rare example of the spiritual and emotional transformation of man based on the outside world:

I used to see in terms of colours
and think in term of scents
I was under the illusion
that life was alighting on my window

with a candle of silver dreams in its hand
like a harbinger of light
Clad in moonlight I flew in fog and mist,
Up above in the sky
holding the hands of violet clouds
Cloud-like tones fell on my ears like drizzles,
rose-like faces illuminated my eyes
I enjoyed the silken company of the wind
and the gifts and blessing of the evening breeze.
Life was an uninterrupted series of dreams
But when I opened my eyes
the scenes and sights were all gone
and it was twilight.
The colours no more; no more dreams!
All I had was unmitigated agony
No moonlit night, no flower sight;
no sweet, sympathetic talks; no morning walks;
no evening by the lake;
no footsteps, no knocking at the door.
Words were all devoid of meaning;
symbols had turned sterile.
The apparels of pink dream were burnt to ashes
Reality with its stark nakedness
And unsparing ruthlessness
Was dawning on my body and soul
That benign, shady cloud was gone
leaving me alone in the lurch
The blistering heat of the earth
Was prickling in my eyes (Hasani, Baig and Baig, 2010:17-18).

In her poem *Ecstasy*, the poet combines depression, hope, happiness, exhaustion and numbness in one pot, creating a rare example of her unique style with magnificent harmony:

A deep-dark scarf
Schimmering in light-green light;
Melting in strong arms, a delicate one;
The skirt ruffled, the veil in disarray;

The fire in cheeks, mellowing the cool of the air;
Soft hands, playing with silky hair;
The shadow of a playful moment on red lips;
Whispers of love in shy tones;
One shared sound, beating in two hearts.
Trembling lips had only one prayer to God:
Let these moments stay for a while! (Bakht and Lavigne, 2004:22)

In another poem of the poet, Caution, fear, disappointment and bohemian cognitive expressions are noticeable:

Even in sleep,
I hide my face with a veil.
I am scared
Lest a quiver of my eyelashes,
And the shimmering pink on my cheeks
Unveil this happiness of mine
That grows stars in my blood.
A smile in my sleep
Might betray my cherished secret. (Bakht and Lavigne, 2004:20).

Love in Alda Merini's Poems

Alda Merini was deeply involved in poetry since she was 15. In her early career, in 1947, Silvana Rovelli sent some of her poems to the literary critic Giacinto Spagnoletti. As he was positively impressed by her works, he introduced her to various influential authors of the time, in one of the most remarkable literary circles in Milan. Among them we can find Pier Paolo Pasolini, Maria Corti, Luciano Erba and Giorgio Manganelli, with whom Alda began a tormented love affair, that ended in 1949. Her passion for literature leads her to meet a lot of relevant poets of the time like Eugenio Montale and Salvatore Quasimodo, with whom in 1950 she also got romantically involved. The relationship lasted until 1953(https://www.lib.uchicago.edu/efts/IWW/BIOS/A0202.html). In 1950 Spagnoletti published Alda Merini's poems "Il gobbo" and "Luce" in his anthology *Poesia italiana contemporanea*. Her poetry was so well perceived that it captured the attention of Quasimodo, Pasolini and Montale. Montale suggested to Vanni Scheiwiller to include Alda Merini's lyrics in his anthology *Poetesse del novecento*, published in 1951. It seems that her love she constantly gives was intermingled with the love for poetry. In her

compositions she really gave space to something unspoken that people could usually perceive as scandalous, but in her style the language and form she uses enhance her innocence. The result is a crude reality seen with the eyes of a pure soul. This oxymoron lets her poems sing in the mind of people that, by reading her lyrics, find an accurate description of the world perceived through the experiences of the author, without filter or a language that could hide the true meaning of her thoughts. An essential and authentic poetry. It's with this very style that Alda Merini describes her craving for love, as she did in these verses coming from a platonic love for Eugenio Montale:

To Eugenio Montale:

Your golden grapes
Lost lemons

In the womb of other women
Who only dreamt of you

It happens to me also, master,
To make love
With those
I've never met (https://www.frammentirivista.it/alda-merini-ritratto/)

There is also another side of her poetry, a love for existence and perseverance, the hope that forced her to continue looking for what she really needed.

I don't need money
I need feelings.

Of words, chosen with care,
Of flowers, like thoughts,
Of roses, like presences,
Of dreams, that inhabits trees,
Of songs that make statues dance,
Of stars that murmurs to lovers' ear.

I need poetry,
This magic that burns the heaviness of words,

That revives emotions and gives new colours (https://www.poesiedautore.it/alda-merini/io-non-ho-bisogno-di-denaro)

In the first part, where she stated: "I don't need money, but feelings. / Of words chosen with care, / of flowers as thoughts, / of roses called presences" She didn't describe only the things that she needed the most in a relationship, but also in life. She lived for her poetry as she was giving birth to her own emotions; in these breaths of life, we can see the true essence of love, but above all the fundamental aspect of this feeling that would have eradicated her solitude: presences, one of the elements that give this emotion a meaning.

Another character trait of Alda Merini was her dedication to love. She believed that love was like a torch for the poet ("Interview to Alda Merini", Tommaso Pedone, Italy, 2009 https://www.youtube.com/watch?v=oXF-cK7Yngo). This is another essential theme that transpires from this poem; she writes about the dreams and songs she could never reach, and of the stars that murmurs to lover's ear; though she didn't have this anymore, she needs poetry to find the magic that burns the heaviness of words, that revive emotions and gives her new colours.

Her passion and love were represented in many other poems, more like a craving and a leading light than just luxurious feelings. In the poem "To *Love you can't resist*" she expresses the desire of a lasting love, of grasping the beauty of love, both physically and in an ethereal way.

To love you can't resist
For the hands want to possess the beauty
And never let to stun years of silence.
For love is to live two thousand dreams
Until the sublime kiss (https://www.poesiedautore.it/alda-merini/allamore-non-si-resiste)

In this poetry we can see the style of Alda Merini that comprehends Realistic and Romantic traits. In the first part of the poem there is almost a sense of abandonment, of trying to preserve a love with imaginary hands that slips away and almost fades out of stunning years of silence. Silence intended maybe as time without feeling love, or even worse silence intended as a lover who makes you feel alone even in his presence. So, there is again in the realistic part of her poem the theme of abandonment and solitude. This feeling is promptly swept away by the romantic part, where she mentions dreams and sublime kiss, as these were her desire to receive affection as it should be. The author left the reader with a picture that we are free to

guess and imagine. To dream how a life with true love could be, extended to two thousand years, and how it will end with a sublime kiss.

She translated these deep feelings into poetry as a freedom of expression, she felt relieved for being able to look for her true being in all her life she always managed to define herself, even when she was signed and striked by the bad experiences that fate kept throwing at her. The most extraordinary thing was her will to keep defining and looking for her identity.

"These years in a mental hospital... I didn't turn crazy to think of how to become famous, I was no one anymore (...) this means in that period I was very happy of being forgotten, because apparently my brain was saturated, I didn't want to work, or maybe I wanted to remove something unpleasant ("Alda Merini – Dall'altra parte del cancello", Simone Cristicchi, https://www.youtube.com/watch?v=_7bymfrwsE8)"

Being famous as a condition itself can lead people to question their own identity, because to have fame means to give others a perspective of oneself that doesn't fit with whom we really are. Famous people must act in a certain way, they have to follow a code in public, and this forced behaviour can lead to a disintegration of personality. People don't see the person, but the image of her that everyone is reflecting and distorting. Alda Merini lived a slice of life that confirms this theory. In a period in which she most needed humanity and understanding, when she was in the mental hospital, and she asked a stranger for a coffee:

"You know, when I was in the mental hospital, I didn't even had coffee, I shouldn't drink it... One day I asked someone if he could offer me a coffee, exactly here on the canal. I asked him "Could you buy me a coffee?" I was exhausted. You know what he told me? "I don't buy coffee to crazy women. That crazy woman was Alda Merini."(http://www.aldamerini.it).

This event contributed to the building of her character. She became what she was also thanks to the misunderstanding, prejudices and pain she was forced to bear, and she did it gracefully with a respect that not anyone is capable to carry after all she went through.

All this solitude was also exacerbated when in 1965 her husband Ettore Carniti committed her in a mental hospital, away from his presence but above all away from her daughters.

Alda Merini described the value of solitude, and how the wrong people can ruin our inner and sacred world if we let them enter our life.

That's the value of solitude: the aura that rarely rises, - that theorists call mysticism -, that deep down is something very heightened that comes from a purified environment. A molest presence can break everything.

Alda Merini, as her daughters also stated, was truly in love with his husband. He was jealous, a hard worker, and he couldn't comprehend the importance that Alda Merini gave to poetry. To the contrary, he was indifferent to her interests and passions (http://www.aldamerini.it). All this indifference will lead to a difficult period for her, moments of solitude and injustice, were, between 1965 and 1972, she was forced to live committed in the mental hospital Paolo Pini. She remembered her first experience in there as shocking and confusing. She said that she was still a child at heart with few experiences even though she was married and with two children, and that her soul was still clean and pure. She stated that before that period she was a happy mother and wife, even though she would tell her husband how she was feeling tired, and that sometimes her mind went numb. She said that she opened to him, but he didn't understand, and her condition worsened. After the death of her mother and the exasperation caused by the continuous work and poverty, she had a heated fight with her husband; he decided to call the ambulance. She couldn't imagine that she would have been left in a mental hospital. Unfortunately the laws in that period wasn't at all respectful for people with mental illness, and in 1965 the law also stated that women had to obey to their husbands' will; Alda Merini had bipolar disease, something that nowadays can easily be treated, then she was a woman, that means that she was completely at the mercy of her husband who had to decide if she had to be committed. So, without any consultation from her part, she was left in a mental hospital[1]. Her daughters were sent away from her, and that was the worst part. She even stopped writing for all the period she lived in that structure.

This is a temoignance of her first impression of the place:

So I didn't know I was being committed, and I didn't even know that mental hospitals existed because I never saw them, but when I was there I think I became suddenly crazy when I realized that I entered into a maze from which it was very difficult to get out (Alda Merini, *L'altra verità, diario di una diversa*, pp. 13-14, BUR.).

The fight that caused all these sequences of events was also generated by the behaviour of her husband; their daughters discovered what really happend only in a second moment, after they were sent to other families. That night Ettore Carniti came home after hanging out with some of his friends, and he had spent all the money meant to sustain the family. That night she threw a chair to him, and she hurt him. Before this event, she was hurting a lot too, not for jealousy but because she was beaten by her husband whenever he was drunk, but she loved him, and she fell into the illusion that he would change.

In the following poetry Alda Merini expresses all the daily injustice that she was forced to deal with. All the women can relate with her verses, written in a chant that, despite everything, is almost shouting her ability to fight, love, and protect.

To all Women

Frail, opulent woman, moulder of
Paradise
You're a grain of guilt
Even to the eyes of God
Despite your holy wars
For emancipation.
They broke your beauty
What's left is a skeleton of love
That still shouts for vengeance
And only you manage to
Still cry,
Then you turn around and see your children,
Then you spin around, and you still don't know what to say
And you fall silent amazed
And then you become great as the Earth
And you raise your chant of love(http://www.aldamerini.it).

She learned from her experiences, and shaped poems and books out of them. During her experience in the mental hospital, she looked for a connection with the few people she was allowed to keep in touch. In her writings she was always very respectful and kind. Sometimes it seems like she was seeking guidance from others during the darkest time of her life, even though she didn't know that in the future a lot of people would have learned a lot from her letters and works, and that she'd become an example for her readers.

Everyone as a reader, as a student but above all as a human being, should take her as an example, an inspiration, a great poet and teacher of life.

Alda Merini stayed as she was, the pure essence of her being enhanced and reinforced her personality through art and poetry. She liked to talk and meet interesting people and took inspiration from them to create significant stories. That's

why she used to give her poems as a gift to the ones important for her. They were like a token, a piece of her being, that will never fade.

She could be considered a poet anthropologist both for her experience and her contact with society. She could see through the soul of people and reach that solid advice from the universe that helped her to write. That's why her poetry is gentle and pure but at the same time strong and empowering, she told the truth in a romantic but at the same time realistic style. We can see as her life continued, how she managed to survive her own fate and mind, how she conceived the people around her as the true reflection of existence. She used to joke with the interviewers by telling them that she was undisturbed until they arrived, they disturbed her calmness. It was more a calmness as a tranquillity, a lonely bliss that she conceded herself in the last years of her life. The same feeling she had after she healed her soul. This is the main problem of our society, misunderstood individuals are labelled as fools, whilst people just want to be heard and comprehended as they are, as human beings. A lot of people would avoid suicide and mental illness if they were heard, or if we could just give them a smile.

That's why Alda Merini was always craving for love or just human contact, she talked to the poorest people and gave them a piece of her life, a time well spent as she surely managed to enlighten – even if for a moment – the existence of other human beings. In a society always centred on productivity and consumerism, where the art was starting to be put aside, (as her husband did with her passion for poetry) she clearly was caught in a storm of misunderstanding that went beyond her control.

She wasn't loved as she wanted, she lived with an abusing husband, her daughters were later taken from her, and this influenced deeply her affective sphere. This is something it shouldn't ever happen, but despite everything, as a person who was victim of society, she tried to be an example in every aspect of life.

As she stated about herself:

"They live apart from me, in foster care in faraway families, only two of them, but I don't like to talk of my children... They love me, as everyone... we must pay attention not to confuse fanaticism with love. I mean there isn't the poet, there is the human form of the poet. I think that I've been much greater as a human being than as a poet. Maybe they praise this in me" (https://www.aldamerini.it/)

Conclusion

Alda Merini and Parveen Shakir are described as two innovative and protestant voices of contemporary Italian and Urdu literature. Rather than the classical themes of

Italian literature, Alda Merini followed themes such as love and the melancholy, longing, happiness and sadness derived from love and tried to overcome the difficulties in her life by holding on tightly to this concept. The poet, who blended mystical concepts with contemporary literary style, presented Italian literature with a new understanding of poetry in which passion and tension were at the forefront. The psychological problems she struggled with for most of her life did not discourage her, on the contrary, they caused her to hold on to poetry more. Merini, who formed the basis of her poetry from pain and the painful traces left in her mind, made love the main actor in the process of coping with difficulties and integrated this theme into her works with this understanding. The basic principle that makes the poems of Shakir, who represents Eastern culture, and Alda Merini, who represents Western culture, special is the female language that stands out in their poems, in other words, the female identity and the ability to hope against despair.

Parveen Shakir is a female poet whose level of consciousness is beyond the conservative understanding of literature and society that was established in her country during the period she lived. The sociological traumas in her environment, combined with the cognitive and emotional problems in her life, provided the inner accumulation that would lead her to become one of the most important poets of contemporary Urdu literature. The emotional breakdowns in her marriage and the search for ideal love in her mind, in particular, deeply affected the poet and she processed love in her poems as a happiness that arises from pain and turns into pain. The poet's concept of love is uncertain, unattainable and burning when reached.

The theme that unites Parveen Shakir and Alda Merini in a common ground and forms the subject of this study is love. In the poems of both women poets, love appears as a means of escaping from the pain of life and eliminating cognitive dissatisfactions. The process in which platonic love begins to turn into a destination has determined the main theme of both poets as longing for the beloved, and these two women poets have transformed their platonic love into a universal hope. In the poems of Parveen Shakir and Alda Merini, the aspects of love that create anxiety, longing and pain come to the fore, and the two poets reflect the psychoanalytic, emotional and affective concepts they derive from their different life experiences in their poems in a romantic yet protesting style.

BIBLIOGRAPHY

Bakht, Baidar., Lavigne, Leslie. Talking to Oneself. Islamabad:Lafz Log Publications.

Merini, Alda. (2007) L'altra verità, diario di una divers, Milano: But.

Hasani,M., Baig,Mirza A.B.,Baig,Mirza Nehal Ahmad. (2020). Sessions of Sweet Silent Though.Delhi:Arshia Publications.

Özcan, Asuman.,Köycü, Seda. (2003) "İki Kadın Tek Aşk: Şiir Maria Pawlikowska Jasnorzewka ve Pervin Şakir" Ankara Üniversitesi Dil ve Tarih coğrafya Fakültesi Dergisi,43,2.s.151-164.

Shabnam, Robeena. (2004). Urdu Ghazal ki Maah-e Tamam Parveen Shakir. Delhi: Matba Bharat Offset.

Shakir, Parveen. (1997). Monograph. Allahabad:Urdu Writers Guild.

Shakir, Parveen. (2019). Mah e Tamam. İslamabad:Murad Publishers.

Tanveer, Mohd. (2014). Parveen Shakir ki Shaiery Ek Tanqeedi Jaaeza. Delhi:Educational Publishing House.

Tommaso, Pedone.(2009) *"Interview to Alda Merini"*Italy.

https://www.youtube.com/watch?v=_7bymfrwsE8 "Alda Merini – Dall'altra parte del cancello", Simone Cristicchi.

ONLINE SOURCES

https://www.youtube.com/watch?v=oXF-cK7Yngo. (Accessed: 02.02.2025)

https://www.lib.uchicago.edu/efts/IWW/BIOS/A0202.html) (Accessed: 02.02.2025).

https://www.frammentirivista.it/alda-merini-ritratto/) (Accessed: 02.02.2025).

https://www.aldamerini.it/) (Accessed: 02.02.2025).

https://www.frammentirivista.it/alda-merini-ritratto. (Accessed: 16.01.2025).

https://www.poesiedautore.it/alda-merini/io-non-ho-bisogno-di-denaro) (Accessed: 02.02.2025).

www.poesiedautore.it/alda-merini/allamore-non-si-resiste. (Accessed: 22.01.2025).

https://www.youtube.com/watch?v=_7bymfrwsE8 Merini, Alda Dall'altra parte del cancello", Simone Cristicchi. (Accessed: 02.02.2025).

https://www.aldamerini.it/ (Accessed: 02.02.2025).

https://www.lib.uchicago.edu/efts/IWW/BIOS/A0202.html. (Accessed: 22.01.2025).

https://www.frammentirivista.it/alda-merini-ritratto/ (Accessed: 17.02.2025).

https://www.poesiedautore.it/alda-merini/io-non-ho-bisogno-di-denaro(Accessed: 15.02.2025).

https://www.poesiedautore.it/alda-merini/allamore-non-si-resiste(Accessed: 28.02.2025).

Ankara Üniversitesi
Dil ve Tarih-Coğrafya Fakültesi
Doğu Dilleri Dergisi / Journal of Oriental Languages

Cilt/Volume: X Sayı/Number: I Nisan/April: 2025

KADIN İMGESİNİ VURGULAYAN URDU ATASÖZLERİ VE DEYİMLER ÜZERİNE KISA BİR ÇALIŞMA

Emel SİYLİM BAŞARIR*

Öz

İnsanlar arasında en önemli iletişim aracı olan dil, dil bilimin araştırma ve inceleme alanına girmektedir. Toplumbilim ve dil bilimin ortak çalışma alanı olan toplumdilbilim ise, dilin toplumsal işlevini inceleyerek dilin toplumlardan toplumlara nasıl aktarıldığını ortaya koyar. Dil araştırmalarının temelini oluşturan atasözleri ve deyimler, kuşaktan kuşağa aktarılarak, toplumun kültürel ve sosyo-ekonomik yapısı hakkında bilgi verirken; toplumun manevi değerlerinden olan gelenek ve göreneklerinin de yaşatılmasına katkıda bulunur. Bu atasözleri, Urdu dilinin konuşulduğu toplumsal bağlamlarda kadının sosyal rolünü anlamak için önemli bir pencere açar ve zaman içinde kültürel değerlerde meydana gelen değişiklikleri gözlemlemek için bir araç sağlar. Araştırmamızda nitel araştırma yöntemlerinden durum çalışmasına yer verilmiştir. Doküman analizi yöntemiyle incelenen kaynakta, atasözleri arasından kadının toplumsal konumunu yansıtan örnekler seçilmiştir. Bu sayede, kadının toplum içindeki rolü ve ona atfedilen anlamlar, açık ve sistematik bir şekilde ele alınmıştır.Veri toplama yöntemi olarak katılımcı gözlem ve söylem analizi kullanılmıştır. İnceleme sonucunda Hint-alt kıtasında yaşayan toplumlarda kadının ikincil konumda yer alması, kadına yönelik kullanılan dilin olumsuz çağrışıma sebep olmasına; bunun aksine erkeğin birincil konumda yer alması, erkeğe yönelik kullanılan dil unsurlarının erkeği yüceltici olumlu değerler taşımasına sebep olduğu görülmüştür.

Anahtar Kelimeler

Atasözü
Deyim
Urdu Dili
Kadın

Makale Hakkında

Gönderim Tarihi: 30.03.2025
Kabul Tarihi:16.04.2025
E-Yayın Tarihi:27.04.2025

A BRIEF STUDY ON URDU PROVERBS AND IDIOMS EMPHASISING THE IMAGE OF WOMEN

Abstract

Language, which is the most important communication tool belongs to the study of the linguistics. Sociolinguistics, a joint field of study between sociology and linguistics, examines the social function of language and how

Keywords

Proverb
Idiom
Urdu language

* Öğretim Görevlisi, Ankara Üniversitesi, Dil ve Tarih-Coğrafya Fakültesi, Doğu Dilleri ve Edebiyatları Bölümü, Urdu Dili ve Edebiyatı Anabilim Dalı. esiylim@ankara.edu.tr. ORCID: 0000-0002-2948-3320.
DOI:10.61134/audodilder.1668140.

it is transmitted from one society to another. Proverbs, which form the basis of linguistic research, are passed down from generation to generation and provide information about the cultural and socio-economic structure of society, while contributing to the survival of traditions and customs that are part of the spiritual values of society. These proverbs open an important perspective into understanding the social role of women in Urdu culture and a means of observing changes in cultural values over time. Discourse analysis was used as the data collection method. Secondary data were obtained through the internet, dictionaries, books and native speakers. The source was analysed through data collection and the proverbs describing the place of women in society were selected from the proverbs, thus making the role of women in society and the meanings attributed to women transparent. As a result of the research, the fact that women are in a subordinate position in the societies living in the Indo-Subcontinent has resulted in the language used for women having negative connotations; on the contrary, the fact that men are in a primary position has resulted in the language elements used for men having positive values that put the men superior position.

Woman

Article Info

Received: 30.03.2025
Accepted: 16.04.2025
E-Published:27.04.2025

Giriş

Atasözü, TDK Güncel Türkçe Sözlük'te "Uzun deneme ve gözlemlere dayanılarak söylenmiş ve halka mal olmuş, öğüt verici nitelikte söz; deme, mesel, sav, darbımesel." olarak tanımlanmıştır. TDK Güncel Türkçe Sözlük'te *deyim*in anlamına "Genellikle gerçek anlamından az çok ayrı, kendine özgü bir anlam taşıyan kalıplaşmış söz öbeği; tabir." olarak yer verilmiştir. Geniş kullanım alanına sahip olan atasözleri Urdu dilinde; کہاوت (kahāvet),ضرب المثل (żarb-ul meṯel), مقولہ (maḳūlah) olarak adlandırılırken deyim ise; محاورہ (muḥavarah)'dir. Dilin en önemli aktarım özelliği ve işlevi olan atasözleri ve deyimler, ana kültürün bilinçaltını bizlere sunmaktadır. Dil araştırmalarının temelini oluşturan atasözleri, kuşaktan kuşağa aktarılarak toplumun kültürel ve sosyo-ekonomik yapısı hakkında bilgi verirken toplumun manevi değerlerinden olan gelenek ve göreneklerinin de yaşatılmasına katkıda bulunur.

Nesilden nesile değişen, kültürel geleneklere bağlı atasözleri öğüt niteliğindedir ve toplumda yaygın olarak kabul edilen bir gerçeği aktarır. Kimi atasözlerinin anlamsal karşılığı günümüzde geçerli olmasa da halk arasındaki yaygın

inanışın kökleri atasözlerine dayanır. Geçmişten gelen ve ana söylem amacı *tavsiye* olan atasözleri, yaşatıldığı coğrafyanın dilini, tarihini, kültürünü, geleneklerini ve göreneklerini yansıtır (Akbar Ghilzai-Sultana vd., 2020). Kültür içine kök salan atasözlerinin altında yatan derin anlamları çıkarabilmek için, kültürel bilgi son derece önemlidir. Bir dili edinme sürecinde, öğrendiğimiz her sözcük içinde barındırdığı kültürel alt anlamları da eş zamanlı öğrenmemize imkân sağlar. Bir ulusun yaşayış biçimi, inançları, gelenekleri, dünya görüşü, çeşitli nitelikleri ve hatta tarih boyunca bu toplumda meydana gelen olaylara ilişkin hiçbir bilgimiz olmasa dahi yalnızca dil bilim incelemeleriyle, bu dilin söz varlığının, söz hazinesinin derinliğine inerek bütün bu konularda çok değerli bilgiler ve güvenilir ipuçları edinebiliriz. Aynı biçimde bir an için tek başına dili ele alarak, belli bir dilin belli bir dönemdeki bir metnini, yalnızca yabancı öğeler, yabancı etkiler açısından inceleyerek dili konuşan toplumun o süre içinde hangi kültür hareketine sahne olduğunu, hangi dış etkiler altında kaldığını saptayabiliriz (Aksan, 2007: 65).

İnsanlar arasında en önemli iletişim aracı olan dil, dil bilimin araştırma ve inceleme alanına girmektedir. Toplum bilimi ve dil bilimin ortak çalışma alanı olan toplumdilbilim ise, dilin toplumsal işlevini inceleyerek, dilin toplumlardan toplumlara nasıl aktarıldığını ortaya koyar. Vardar, toplumdilbilimi; dil olgularıyla toplumsal olgular arasındaki ilişkileri, bunların birbirini etkilemesini, birbirinin değişkeni olarak ortaya çıkmasını, bir başka deyişle, bu tür iki olgu arasındaki eşdeğişirliği inceleyen karma dal (2007: 196) olarak tanımlar.

Urdu dili, Pakistan'ın milli dilidir ve tüm halkın ortak iletişim dilidir.Eyalet sistemi ile yönetilen Pakistan'da her eyaletin kendi eyalet dili bulunmaktadır ve buna ek olarak ülkede pek çok yerel dil de mevcuttur. Dil çeşitliliği bakımından oldukça zengin olan bu coğrafyada diller arası etkileşim kaçınılmaz olmuştur.Diller arası sözcük ödünçleme,kod değiştirme,sözcüklerin bölgesel telaffuz farklılığı hemen göze çarpmaktadır.Ülkede yaşayan halkın kültür ürünlerinden; sözlü-yazılı edebiyatı,halk oyunları,inançları,gelenekleri,yeme-içme alışkanlıkları bölgelere göre değişkenlik

gösterir ve bu zenginlik, kadın erkek rollerine göre toplumda dil söylemlerine de yansıtılmıştır.

TÜBA Türkçe Bilim Terimleri Sözlüğü'nde *toplumsal cinsiyet*; cinsiyetlere özgü toplumsal, kültürel, ruhsal rol ve konumların biyolojik kökenli olmasının yanı sıra kişilerin içinde yaşadıkları toplumsal, kültürel ortamın da ürünü olduğunu, kültürel olarak biçimlenip toplumlaşma süreciyle edinilen erkek ve kadın rollerinde bu nedenle kültürler arasında ayrımlar bulunduğunu savunan yaklaşım ve araştırma alanı olarak tanımlanır (2011: 1145).

Toplumsal cinsiyet; çeşitli davranışları, fiziksel görünüme dair kimi özellikleri, meslek adlarını ifade eden bazı kelimelerin, toplumsal cinsiyet rolleri bağlamında kadın ve erkek için farklı kullanılmasını ya da anlamlandırılmasını ifade eder; toplumun kadına ya da erkeğe uygun gördüğü rol ve davranış modellerinden beslenerek dilde örtük bir biçimde var olur. *Toplumsal cinsiyet;* kültürel niteliklerinden dolayı -örtülü ya da doğrudan- sözvarlığı düzeyinden sözdizimine kadar dilleri etkileyebilmektedir (Çolak,2020: 98).

Kadınlar (ama her kadın değil), bedenleri sayesinde çocuk doğurabilir, onları sütüyle besler fakat bunların dışında, kadınların yapıp da erkeklerin yapamayacağı ya da erkeklerin yapıp da kadınların yapamayacağı hiçbir şey yoktur. Dolayısıyla sırf kadın ya da erkek bedenine sahibiz diye sahip olduğumuz özellik, rol veya kaderlerimizin buna göre belirlenmesi gerekmez. Aslında neyin doğuştan ve neyin toplumsal olarak yapılandırılmış olduğunu saptamak oldukça güçtür; çünkü toplum ve aileler, çocuk doğar doğmaz toplumsal cinsiyet edindirme sürecine başlarlar. Birçok Güney Asya kültüründe, bir erkek evladın doğumu kutlamayla karşılanırken, bir kız evladı doğduğunda yas tutulur. Bir kız çocuğunun bedeninde onu özgürce giyinmekten, ağaca tırmanmaktan ya da bisiklete binmekten alıkoyan hiçbir şey yoktur. Bir erkek çocuğunun bedeninde de, onu oyuncak bebeklerle oynamaktan, kendinden daha küçük kardeşleriyle ilgilenmekten, yemek hazırlamaya ya da temizlik

yapmaya yardımcı olmaktan alıkoyan hiçbir şey yoktur. Toplumsal cinsiyetin doğuştan gelen bir özellik olmasından çok, kültürel ve toplumsal bir nitelik olmasının kanıtı, zaman içinde farklı yerlerde ve farklı sosyal gruplar arasında değişmeye devam etmesidir. Örneğin; kabile içinde yaşayan bir kız çocuğu hayvan otlatarak, meyve, yaprak veya dal toplamak için ağaçlara tırmanarak ormanda özgürce dolaşırken; orta sınıftan bir kız çocuğu okula ya da eve kapatılabilir. Her ikisi de kız çocuğudur fakat aynı bedene sahip olsalar da farklı amaç, yetenek ve hayaller geliştirebilirler (Bhasin, 2003: 12).

Toplumun cinsiyet algısını yansıtması ve bu algının toplum dil bilimciler tarafından araştırılması bakımından önemli olan Hint- Avrupa dil ailesinde yer alan Urdu dilinde dil bilgisel cinsiyet hakimdir. Çalışmamız, kadın imgesini vurgulayan bazı atasözleri ve deyimleri kapsamakta olup dilbilgisel cinsiyet üzerinde durulmamıştır.

Araştırma Soruları

Çalışmamızda aşağıdaki sorulara cevap aranacaktır:

1.Toplumsal cinsiyet rollerinin Urdu atasözleri ve deyimler üzerindeki etkileri nelerdir?

2.Urdu atasözleri ve deyimlerde kadın tasviri nasıl yapılmaktadır?

3.Hint alt kıtasında yaşayan toplumların kültürel ögeleri, atasözleri ve deyimlere nasıl yansımıştır?

Araştırma Metodu

Bu çalışmada, Urdu dilinde söz varlığı çerçevesinde toplumsal cinsiyet açısından kadından söz edilirken kullanılan atasözleri ve deyimler üzerine kısa bir inceleme amaçlanmaktadır. Ulaşılan veriler içinden kadının toplumdaki yerini vurgulayanlar seçilmiştir. Böylece kadının toplum içindeki rolü ve kadına yüklenen

anlamlar şeffaf bir şekilde ele alınmıştır. Kadınların toplum içindeki konumlarının ve kimliklerinin nasıl inşa edildiğini analiz etmeyi hedefleyen bu çalışmada, kadınların toplumsal cinsiyet rolleri ve ataerkillik anlayışı üzerinde de durulacaktır.

Veri toplama yöntemi olarak söylem analizi kullanılmıştır. İkincil veriler çevirimiçi kaynaklar,sözlükler, kitaplar ve ana dil konuşurları aracılığıyla elde edilmiştir.Söylem analizi, söylemi esas almakta ve günlük cümlelerin veya metinlerin söylenme bağlamında incelenmesine dayanmaktadır. Söylem analizi, metin veya konuşma biçiminde kullanılan dilin detaylı olarak analiz edilmesidir. Metinlerin veya dilin semantik ya da sentaktik yapısını incelemekte ve söylemlerin hem dil bilgisel hem de sosyo-kültürel boyutlarını ele almaktadır. Verilen mesajların anlamının ne olduğunun ortaya konması için anlam bilimsel (semantik), söz dizinsel (sentaks) ve göstergebilimsel (semiyoloji) yazılı, sözlü ve görüntülü mesaj üzerinden çözümlenmesi gereksinimi doğmuştur. Bu kapsamda söylem analizinin temel kavramlarını aşağıdaki başlıklar altında toplamak mümkündür (Baş ve Akturan, 2008: 27):

Anlam bilimsel (Semantik): Anlam bilimsellik söylemleri, sözcük ve cümleleri dil bilimsel anlamlarıyla ilişkilendirmek suretiyle açıklamayı içermektedir. Anlam bilim, metnin veya söylemin içinde ve dışında yer alan bütün anlam ilişkilerini inceleyen bir bilim dalıdır. Anlam bilimde bu inceleme yapılırken metin ile kullanıcısı arasındaki ilişkiler de göz önünde tutulmaktadır.

Söz dizinsel (Sentaks): Söz dizinsellik, sözcükleri gerek cümle içinde gerekse ifadenin tamamında aldıkları yere göre anlamlandırmayı hedeflemektedir. Bir sözcüğün cümlenin başında veya sonunda yer alması veya bir cümlenin ifadenin ortasında veya sonunda bulunması o ifadenin anlamlandırılmasında farklılıklar ortaya çıkarmaktadır.

Göstergebilim (Semiyotoloji): Söylemin analiz edilmesinde simgelerden yararlanmayı amaçlar. Anlamın saptanmasında sözü simgeyle ilişkilendirmenin mümkün olup olmadığını ele almaktadır. Göstergebilimin temel konusu anlamdır (Baş ve Akturan, 2008).

Bulgular

Hindistan'ın yasa koyucusu Manu, Smṛtisinde[1] kadının sosyal statüsünü, erkeğe bağlı olarak tanımlamış ve hayatındaki üç ana öge olan; kız çocuğu, eş ve annenin verilen emirlere uyması gerektiğini belirtmiştir. Baba veya ağabeyi ile koca ve oğulların kontrolü ellerinde tutmasını tavsiye etmiş ve erkeğin kadından sorumlu olduğunu hatırlatmıştır. Hint toplumunda kadın erkeğe bağlıdır ve ekonomik olarak erkeklere muhtaçtır. Toplum, kadınların zorlanmalarını ve çaresizliğini anlamak yerine onların ekonomik durumuyla dalga geçer (Agaskar,2004). Urdu atasözleri ve deyimlerde kadınlara bakış açısı, eleştirel toplumsal normları ve değerleri yansıtmaktadır. Söylemlerde kadının ailedeki önemli rolü ve eğitim yoluyla topluma katkısının vurgulanması beklenirken, toplumsal beklentileri azaltan ve cinsiyet rollerini sınırlayan verilerle daha sık karşılaşılmıştır. Yapılan araştırma, Pakistanlı kadınların sosyal rolünü anlamak adına önemli bir pencere açarken zaman içinde kültürel değerlerde meydana gelen değişiklikleri gözlemleme fırsatı sunmuştur.

Atasözleri ve deyimler üzerine yapılan araştırmalarda toplumsal düzende ve aile içi düzende erkeğin daha baskın, karar verici ve yönetici konumda olduğu söylenebilir.Ekonomik gücü elinde bulunduran erkek, kadını istediği gibi yönetebileceğinden şüphe duymamaktadır. Kadın için ise kocasının takdirini ve rızasını kazanmak önemli bir başarıdır.

[1]Toplum hayatının uyumlu bir şekilde sürdürülmesi için insanlığın babası olarak bilinen Manu diğer adıyla Mānavāçārya tarafından yazılmış davranış kuralı kitabıdır. Kitap oniki bölümden oluşmaktadır. İlk bölüm Smṛti'nin ve evrenin kökeninden bahsetmektedir. Diğer Smṛtiler bu şekilde başlamadığı için ilk bölümün kitaba sonradan eklendiği düşünülmektedir.Manusmṛti günümüz Hindu Yasa'sının temelini oluşturur ve M.Ö. 500lü yıllarda yazıldığına inanılmaktadır (Mani,1996: 481).

1. جو پیا من بھائے وہی سہاگن

Cō piyā man bhaē vohī suhāgan.

Kocası tarafından sevilen kadın şanslı kadındır.

Urdu-Hindī dilinde *evlilik* kavramı ile ilişkilendirilen pek çok söz varlığına rastlamak mümkündür. TDK Güncel Türkçe Sözlük'te *şanslı* sözcüğü "isteklerini bilgi ve emekten çok rastlantı sonucu elde eden" olarak tanımlanır ve *şanslı* sözcüğü Türkçede pek çok bağlamda kullanılırken bağlama göre sözcük seçen Urdu-Hindī dilinde, सुहागन, سہاگن (*suhāgan*); talihli kadın, kocası hayatta olan kadın,kocasının himayesinde olan kadın demektir (Chaturverdi ve Tiwari,1991: 826).Bir kadının evlendikten sonraki yaşamında mutlu olabilmesi, kocasının hayatta olmasına ve onun tarafından sevilmesine bağlıdır. Kadın ancak kocasıyla hayatta var olabilmekte,onun gölgesinde hayatını devam ettirebilmektedir. Kocasını kaybeden bir kadın toplum tarafından hor görülüp değersizleştirilir ve hatta yaşamaları bile istenmezdi.Bu durumu anlatan eski bir Hint geleneği olan *satī*, dul kadınların kendilerini, ölen kocalarının cenaze töreninde yakılan ateşte yakma geleneğidir. *Satī* geleneğinde, kocası ölen kadının *satī* kararı alması için bir gün beklenirdi. Eğer kadın *satī* kararı alırsa eşi yakılmak için yatırıldığında, kadın da yanına uzanabilir, eşi yanarken ateşe atlayabilir ya da bağdaş kurarak eşinin yanında oturur ve kaderini beklerdi. Eşini kaybetmenin vermiş olduğu üzüntüyle yaşayan dul kadına eski bir sārī[2] verilirdi. Bu eski sārīye 'pota sārī' denirdi. Yas dönemindeki dul kadının uğursuz olduğuna ve kötü şans getirdiğine inanılırdı. Dul kadın bir yıl boyunca odanın bir kenarında oturur ve

[2] Bangladeş, Hindistan ve Pakistan gibi Güney Asya ülkelerinde kadınların giydiği, ipek ya da pamuktan dokunmuş, dikiş ya da iğne kullanılmaksızın gövdeye uydurulan, tek parçalı ayağa kadar uzun ulusal giysi (Talu, 2017: 74).

olabildiğince az yemek yer ve çok az konuşurdu. Bir yılın sonunda yas tutması için oturduğu köşesinden ayrılır ve üstündeki sārīyi başka bir dul kadının giymesi için çıkarırdı. Hintliler bir kadının dul kalmasını, kadının önceki hayatındaki günahlarına bağlamışlardı. Bu durum Hintlilerin tekrar tekrar dünyaya gelme inançlarının da bir belirtisidir (Kayalı,2013: 367). İnsan hakları ihlâli olan bu gelenek, çıkarılan yasalarla zaman içinde yasaklanmıştır. *Cō piyā man bhaē vohī suhāgan,* en iyi yöntem olmasa bile kişinin kendi bildiği yolu tercih ettiği bağlamlarda da kullanılır.

Kadınlara atfedilen bir diğer özellik ise kavgacı, inatçı ve geçimsiz olmalarıdır. Pek çok Urdu atasözünde bu anlamların yüklü olduğunu görmekteyiz. Kadınların düzen bozucu, güvenilmez, tehlikeli oldukları toplumda atasözleri ile her daim hatırlatılmaya çalışılmıştır. Örneğin;

2. جھگڑے کی باتیں تین: زر،زن، زمین۔

Chagrē kī bātēň tīn; zer,zan,zamīn.

Kavganın üç sebebi; servet, kadın ve toprak.

TDK Urduca-Türkçe, Türkçe-Urduca sözlükte madde başı tanımı olarak جھگڑا (*chagṛā)*; kavga, arbede; tartışma, çekişme; anlaşmazlık, uyuşmazlık; fitne, fesat anlamlarına gelmektedir. Atasözleri genellikle hatırlanması kolay dil bilgisi yapıları ve retorik dil araçlarına sahiptir bu sebeple kafiye, kelime tekrarı ve söylemde uyum yaratmak amacıyla aynı sesin ya da hecenin tekrarlanması sanatı olan aliterasyon türü sıklıkla karşımıza çıkar. Tümcede söylem ahengi korunmuş ve bütünlük yakalanması adına Farsça'dan Urdu diline geçmiş ز (z) ile başlayan art arda üç adet ödünç sözcük kullanılmıştır.

3.عورت،جوا اور شراب انسان کو ہنستے کھیلتے تباہ کر دیتے ہیں۔

‘Aurat,cuvā aur şarāb insān kō hanstē kheltē tabāh kar dētē haiň.

Kadın, kumar ve şarap insanı güle oynata yerle bir eder.

3. örnekte kadın, İslam dünyasında dinen meşru görülmeyen kumar ve şarabın zararlarıyla eş değer tutulmuştur. Kadın, bir insanın hayatını yerle bir edecek kadar tehlikelidir. Kumar ve şaraptan uzak durması gereken bir bireyin kadından da uzak durması ve tehlikeli görmesi gerektiğine dair davranış örüntüsü sergilemesi beklenmektedir.

4. اونٹ کی پکڑ اور عورت کے مکر سے اللہ بچائے۔

Ūnṭ kī pakaṛ aūr ‘aurat kē makr sē Allah baçāē.

Allah devenin düşmanlığından, kadının hilesinden korusun.

İnsanlar, kimi olumlu ya da olumsuz davranış biçimlerini ya da kişilik özelliklerini hayvan davranışlarına benzeterek anlatmaya çalışmışlardır. Hint alt kıtasında yük taşımak için yaygın olarak kullanılan devenin birtakım özellikleri, insan davranışlarını anlatmak için bir yol olmuştur. 4 numaralı örnekte *devenin düşmanlığı* ve *kadının hilesi* tamlamaları anlam alanı bakımından birbirine benzetilmiştir. Deve kuvvetli hafızasıyla tanınır ve kendine bir düşmanlık yapıldıysa onu asla unutmaz, günü geldiğinde öcünü alır. Kadınlara, hayatları boyunca erkeklerin karşısında zayıf ve güçsüz oldukları hissettirilmiş olsa da canları yandığı zaman bir hileyle zarar verebilirler. Sadece buyuru işlevi olmayan *emir kipi,* tıpkı Türkçede olduğu gibi Urdu

dilinde de dua ve beddua işlevinde kullanılmaktadır Tümcede بچانا (baçānā) eylemi, emir kipinin dilek, temenni işlevini görmüştür.

5. آئیے بے عقل، سب کاموں میں دخل۔

Āīyē bē ʻaḳl, seb kāmōň mīň daḫīl.

Gel akılsız, tüm işlere karış.

Yumuşak kalpli ve nazik yaratılışa sahip olan kadın, her zaman ve her yerde hatta savaşta bile yorulmadan tüm özverisiyle çalışmıştır. 5. örnekte olduğu gibi kadınları akıl yoksunu saymak, bir işte onların görüş ve önerilerine kulak vermemek, kadının hem ailede hem de toplumda değersizleşmesine zemin hazırlar. *Āīyē bē ʻaḳl, seb kāmōň mīň daḫīl,* fikri küçümsenen ve önemsenmeyen insanlar için de kullanılır.

6. آگ لینے آئی اور گھر والی بن بیٹھی۔

Āg lēnē āī aūr ghar vālī ban bēṭhī.

Ateş almaya geldi ve evin hanımı oluverdi.

Türkçede yaygın olarak kullanılan *ateş almaya gelmek* deyimi, ziyaretini çok kısa tutan, gelir gelmez gitmeyi düşünen insanlar için kullanılan bir deyimdir. Eskiden ateşi sönen insanlar, ateş küreğiyle komşuya gider, bir parça köz alır ve köz sönmeden hızlıca evlerine geri dönerlerdi. Bu sebeptendir ki ziyareti kısa tutup acele eden kimseler için bu deyim kullanılır. *Āg lēnē āī aūr ghar vālī ban bēṭhī; bahane uydurup bir yeri ele geçirmek, kontrolü altına almak* anlamında kullanılan bu atasözünde eylem, tekil-dişil olarak çekimlenmiştir. Urdu dilinde dil bilgisel cinsiyet, kişi ve sayı ile birlikte eylem üzerinde düzenli olarak belirlenirken; sıfat, iyelik adılları, tamlama ekleri ile dönüşlülük zamiri ise kendisinden sonra gelen ismin cinsiyetine ve sayısına göre

biçimlenir ve uyum içine girer (Siylim Başarır,2019: 109). Dil bilgisel cinsiyetin olduğu Urdu tümcelerde örtülü özne kullanılsa bile eylem çekiminde kullanılan ی- ،یں- (-ī,- īň)öznenin dişil olduğuna ا- ،ے- (-ā,-ē) ise öznenin eril olduğuna işaret eder. Tümcede *ānā* ve *bēṭhnā* eylemleri ile *ghar vālā* sözcüğünün çekimleri dişil-tekil olduğu için tümcenin örtülü öznesi dişili yani kadını işaret eder.

7. انسان کی خوش قسمتی یا بد قسمتی اس کی بیوی پر مشتمل ہے۔

İnsān kī ḫūş ḳısmetī yā bed ḳısmetī us kī bīvī per muştamil hai.

İnsanın şansı da şansızlığı da karısına bağlıdır.

Bir kadın ve bir erkeğin birlikteliğiyle gerçekleşen aile oluşumu, Urdu atasözlerinde aile ve eş kavramını öncelikle kadın perspektifinden tanımlar. Toplumsal gelenek ve bilinçte kadın, aile ve eş kavramının öncüsüdür. Bu rol ve sorumluluklar, onun çevresini şekillendirir; evi, evinin sokağı, çocuğunun kreşi, okulu, parkı ona en uygun görülen mekânların başında gelir. Ev içinde erkeklere evin geçimi, evin bakım ve tadilatının yapılması, araba alım-satımı gibi işler atfedilir. Birçok atasözünde erkekler de, kadınlar üzerinden değerlendirilir. Önce eş sonra anne olan kadının, erkeğin sosyal statüsü ve itibarı üzerinde önemli bir etkisi vardır bu sebeple kadının toplumdaki kimliğinin yüceltilmesi ve el üstünde tutulması gerekir. Erkeklerin toplum içindeki konumları ve toplum tarafından değerlendirilmeleri de eşine yönelik olabilmektedir. Kadın, eşine ne kadar itaat ederse erkeğin toplumsal statüsü de o kadar artabilmektedir. 7. sırada bulunan *İnsān kī ḫūş ḳısmetī yā bed ḳısmetī us kī bīvī per muştamil hai.* atasözü bize Türkçede oldukça popüler ve yaygın olarak kullanılan *her başarılı erkeğin arkasında bir kadın vardır* sözünü hatırlatmaktadır. Türk toplumunda evli ve başarılı erkekler, övgüyle bahsettikleri eşlerini başarılarının kaynağı olarak gösterirler.

Urdu atasözleri ve deyimlerin kadınlara yönelik olumsuz değer atfetmesi, genel olarak kadınların, erkeklerin aklından daha kıt akla sahip oldukları düşüncesine ve çok fazla gereksiz konuştuklarına bağlanmaktadır. Örneğin;

8 .مرد کام بناتے ہیں، عورت باتیں کرتی ہیں۔

Mard kām banātē haiň, ‘aurat bātēň kartī haiň.

Erkek çalışır, kadın konuşur.

9. خاموشی، عورت کا سب سے بڑا زیور ہے۔

Ḫāmōşī, ‘aurat kā seb sē baṛā zīver hai.

Kadının en büyük hazinesi sessizliktir.

10. عورت کی عقل گُدی پیچھے۔

‘Aurat kī ‘aḳl guddī pīçhē.

Kadının aklı ensesinde.

Mard kām banātē haiň, ‘aurat bātēň kartī haiň, ḫāmōşī, ‘aurat kā seb sē baṛā zīver hai,‘aurat kī ‘aḳl guddī pīçhē gibi örnekleri kadını hor görme bağlamında vermek mümkündür. Toplum, erkeklere oranla -düşük akla- sahip olarak görülen, değersiz ve güvenilmeyen kadınlara, özellikle yuva kurma, yuvanın devamı, aile geçimi ve çocuk yetiştirme konusunda daha çok görev ve sorumluluk yükleyerek garip bir paradoks içine düşmüştür ve bu durum geçmişten günümüze kadar taşınmıştır. Öyle ki Hindistan'ın Vedik eserlerinde kadının doğurma özelliği sayesinde itibar gördüğü, kutsanması gerektiği, erkek çocuk dünyaya getirdiği takdirde derecesinin de yükseleceği âşikar bir şekilde sunulmuş, aşk evliliklerine izin verilmesi rağmen; boşanmış, dul, çok eşli kadınlar gibi figürlere de yer verilmediği görülmektedir. Kadının Vedalar dönemine uygun toplumsal normda doğru kalabilmesi için de tanrıçalara benzemesi gerektiği, soyutla somutun yer aldığı bir karşılaştırmanın

olması, rehberlik eden tanrıça yolunun seçilmesinin onun saygınlık kazanmasını sağlayacağı en önemli çıkarımlardandır (Yoğurt, 2024: 183).

Kültürel, siyasal ve dini konulardaki etkileşimlerden kaynaklanan toplum algısında kadınların erkeklere göre daha alt düzeyde bir statüye sahip olduğu görülmeye başlanmış ve bu durum zamanla onların kültürel yapılarında ve bilinçaltında izler bırakmıştır. Toplumsal yapıda kadın güvenilmez, yoksul, pasif yalnızca evlilik yaparak ve çocuk doğurarak toplumda statü sahibi olabilen bir birey olarak kabul görür. Bu birikim sonucu oluşan kadın algısı, halk deyişlerine ve atasözlerine şu şekilde yansımıştır:

11. شکل چڑیلوں کی مزاج پریوں کی۔

Şakil çuṛēliyōň kī mizāc perīyōň kī.

Şekli öcü, mizacı melek.

چڑیل (çuṛēl) kelimesi çevirimiçi Rekhta Urdu-Urdu sözlükte madde başı olarak kocakarı, büyücü; pasaklı kadın; savaşçı kadın; çirkin kadın olarak tanımlanmıştır. Türkçe *öcü* ile özdeşleşmiştir. 11 numaralı eksiltili tümce örneğinde kadına olumsuz sıfatlar atfeden چڑیل (çuṛēl) ve olumlu sıfatlar yükleyen پری (perī) sözcükleri teşbih için kullanılmıştır.Büyük Farsça-Türkçe sözlükte پری (perī) Pehlevice sözcük olup peri;cin;dev;güzel kadın anlamlarına gelmektedir (Kanar,2010: 393). 11 numaralı örnekte konuşmacının amacı; karşılaştırmalı bir söylem yapısı ile kadını çirkin görünüşüyle öcüye, huy ve mizacı ile meleğe benzetmektir. Kadının durumlar karşısındaki yaklaşımı yumuşak ve yapıcı olsa bile toplumun cinsiyetle ilgili kalıp yargılarını yıkmaya yetmez.Mücadeleci ruha sahip kadınların kendilerini keşfetmeleri, kadın erkek eşitliğini savunmaları, erken yaşta evliliğe özellikle -kuzen evliliğine- karşı çıkmaları ancak eğitim sayesinde mümkün olmuştur. Urdu-Hindī edebiyatının önemli kadın şair ve yazaları,Pakistan'ın ve Hindistan'ın siyasi ve sosyal durumunu ele aldıkları eserlerinde kadınların acılı ve sancılı yaşamlarını işleyerek

onların bilinçlenmesi ve gelişmesi için eserler üretmişlerdir.Kadının yerinin dört duvar arası olarak görüldüğü bir toplumda, kadınların uyanışına zemin hazırlayanlardan en önemlileri Raşid-ul Hayri, Nezir Secad Haydar, Ekberi Begüm, Abbasi Begüm, Kişver Nahit, Raşid Cihan, İsmet Çağatay, Hacira Masrur ve Hadica Mastur'dur. Pakistan'ın bağımsız bir ülke olmasının ardından toplum içinde var olma mücadelesi veren kadınların hikayeleri, günümüze kadar önemli yazarlar tarafından ulaştırılmıştır (Özcan, 2012). Ülkede kadın hakları savunucularının sayısı azımsanamayacak düzeydedir ve pek çok iş sahasında başarılı işlere imza atan, toplum tarafından takdir toplayıp çalışan ve üreten kadınların sayısı artarken; kırsal kesimde eğitim hakkından mahrum bırakılan, birey olma savaşı veren nice kız çocuğunun da var olduğu bilinmektedir.

Sonuç

Atasözleri, yaşatıldığı toprakların kültürel normlarını, inanışlarını ve yaşam değerlerini yansıtır. Ataerkil toplumda, kadının; babası, ağabeyi, erkek kardeşleri, kocası ve oğlu gibi ailenin erkek üyelerine itaat etmesi beklenir ve bu kültürel zorbalık, kız çocuklarına küçük yaşlarda aşılanır. Pakistan'da geleneksel cinsiyet rollerinin konumu; kadınları ev işleriyle sınırlandırırken; erkeklere evin geçimini sırtlanma konusunda gerekli rolleri yüklemektedir. Bu adaletsiz dağılım; kadını hem ev işlerine daha çok bağlamakta hem de ekonomik olarak eşine muhtaç hale getirmektedir. Hint-alt kıtasında yaşayan toplumlarda kadının ikincil konumda yer alması, kadına yönelik kullanılan dilin olumsuz çağrışıma sebep olmasına; bunun aksine erkeğin birincil konumda yer alması, erkeğe yönelik kullanılan dil unsurlarının erkeği yüceltici olumlu değerler taşımasına sebep olmuştur. Kadınların hayatta en önemli işlevlerinin çocuk dünyaya getirmek ve yuva kurmak olduğu vurgulanırken aynı zamanda kadınların aklını kullanamayan konuşkan bireyler olduğu da düşünülmektedir. Kadınların kişilik hakları için vermiş oldukları mücadele neticesinde toplumun kalıp

yargıları ve beklentileri kırılmış fakat istenilen düzeye ulaşmamıştır. Toplumun bütünlüğünün ve gelişiminin önündeki engellerden en çok üzerinde düşünülmesi gereken, erkeklerin cinsiyet rolleri nedeniyle kadınlardan daha yüksek standartlarda tutuluyor olmasıdır. Bunun gibi kökleşmiş kültürel tutumlarla mücadele edebilmek için, kadınların eğitimine önem verilmesi ve kadın haklarının yasalarla güvence altına alınması gerekmektedir.

KAYNAKÇA

Agaskar,Yunus. (2004). Urdu Kahawatein Our Unke Samaji- O- Lisani Pehlu. New Delhi: Modern Publication House.

Aksan,Doğan.(2007).HerYönüyle Dil;Ana Çizgileriyle Dilbilim.2. Baskı.Ankara:TDK

Baş,Türker;Akturan,Ulun.(2017).Sosyal Bilimlerde Bilgisayar Destekli Nitel Araştırma Yöntemleri.Ankara:Seçkin Yayıncılık.

Belen Özcan,Asuman.(2012). Doğu Kültüründe Anlatı Geleneği: Urdu Nesri.Ankara: HDY.

Bhasin,Kamla.(2003).Toplumsal Cinsiyet "Bize Yüklenen Roller" (Çev. Kader Ay,Zeycan Sarıhacıoğlu), İstanbul: Kadınlarla Dayanışma Vakfı Yayınları.

Chatuverdi, Mahendra; Dr. Tiwari B.N. (1991). A Practical Hindi-English Dictionary New Delhi: National Publishing House Delhi.

Çolak,Gülcan.(2020). Toplumdilbilimi-Toplumsal Cinsiyet ve Dil.2 Basım.Bilge Kültür-Sanat Yayınevi.

Eşref,Ahmet Bahtiyar; Soydan,Celal. (2022), Urduca-Türkçe, Türkçe- Urduca Sözlük.Ankara: Türk Dil Kurumu.

Ghilzai Akbar, Shazia; Sultana, Aneela;Zeeshan, Mahwish.(2020). Proverbial Rhetoric in Sustenance of Gender Stereotypes; An Ethnological Account of Proverbs from Pakistani Languages. Global Language Review, V(II), 1-9. https://doi.org/10.31703/glr.2020(V-II).01.

Kanar, Mehmet. (2010). Büyük Türkçe-Farsça Sözlük.Ankara: Say Yayınları.

Kayalı,Yalçın. (2013). Eski Bir Hint Geleneği: Satī. Ankara Üniversitesi Dil ve Tarih-Coğrafya Fakültesi Dergisi 53,1, 365-374.

Mani, Vettam. (1996). Puranic Encyclopaedia. Motilal Banarsidass Publishers.

Siylim Başarır, Emel.(2019). Türkiye Türkçesi ve Urdu Dilinde Ad Durum Eklerinin Kurduğu Yapılar ve İşlevleri. Yayımlanmış Yüksek Lisans Tezi,Ankara Üniversitesi Sosyal Bilimler Enstitüsü.

Talu,Nuran. (2016) "İklim Değişikliği ve Toplumsal Cinsiyet Politika Belirleme Süreçleri." Yasama Dergisi 33, 68-87.

Türkiye Bilimler Akademisi (TÜBA). (2011). Türkçe Bilim Terimleri Sözlüğü: Sosyal Bilimler.Ankara.

Vardar,Berke(2007). Açıklamalı Dilbilim Terimleri Sözlüğü.İstanbul: Multilingual Yayınları.

Yoğurt, Canan. (2024). Vedik kültürde kadınların kimlik inşasının tanrıçaların nitelikleri bağlamında incelenmesi. Uluslararası Dil, Edebiyat ve Kültür Araştırmaları Dergisi (UDEKAD), 7 (1), s. 171-187. DOI: https://doi.org/10.37999/udekad.1436723.

İnternet Kaynakları:

https://sozluk.gov.tr/ erişim tarihi 08.09.2024

https://rekhtadictionary.com/meaning-of-chudail?lang=ur erişim tarihi 11.04.2025